کھووار ادب

چترال کا جغرافیائی پس منظر[1]

چترال پاکستان کے مغربی حصے کے شمالی سرے پر طول بلد ۳۰'۷۱ مشرق ا
۴۷ مشرق اور عرض بلد ۳۵ شمال اور ۳۷ شمال کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شم
اور مغرب میں افغانستان، مشرق میں آزاد کشمیر کی گلگت ایجنسی اور جنوب م
اضلاع دیر و سوات واقع ہیں۔ اس کا رقبہ ۵'۷۲۷ مربع میل ہے۔

چترال اصل میں "چھترار" ہے جو اس ضلع کے صدر مقام کا نام ہے۔
نام پر گذشتہ ایک صدی کے دوران میں تمام علاقہ کا نام بھی چھترار پڑ گیا ۔
جسے بیرونی مصنفین نے "چترال" لکھنا شروع کیا۔ لہٰذا اب کتابی معلومات رک
والے لوگ اس علاقہ کو چترال اور مقامی طور پر چھترار کہہ کر پکارتے ہیں۔

طبعی حالت: سابق ریاست چترال فلک بوس کوہساروں، گہری اور پیچ
وادیوں اور تیز و تند دریاؤں کی سر زمین ہے۔ یہ تمام علاقہ ہندوکش کے سل
کوہ میں آباد ہے اور اس میں چالیس سے زیادہ چوٹیاں ایسی ہیں جو سطح س
سے ۲۰ ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہیں۔ ان میں ترچ میر[1] (۲۶۳'۲۵ فٹ) سب سے
ہے۔ جسے مقامی طور پر پریوں کا محل کہا جاتا ہے۔

چترال کے دریا اور ندی نالے یہاں کی زندگی کے لیے شہ رگ کی حیثیت ر
ہیں۔ دریائے چترال جس میں یہ تمام دریا اور ندی نالے آ کر گرتے ہیں[1] وادی یار
کے شمالی سرے پر بروغیل میں چیانتار گلیشیر (برف کے سیّال تودے) سے نکلتا ہے
۲۲۰ میل کا فاصلہ طے کرکے ارندو نامی ایک گاؤں کے مقام پر افغانستان
داخل ہو جاتا ہے۔ مختلف علاقوں میں اسے مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔
دریائے یارخون، دریائے مستوج اور دریائے چترال۔ افغانستان کی سرحد میں د
ہونے کے بعد یہ دریائے کنہار کہلاتا ہے اور آخر میں دریائے کابل سے مل
وہی نام اختیار کر لیتا ہے۔

چترال کے لوگوں کی آبادیاں وادیوں کے ان کھلے حصوں پر ہیں جہاں

(1) Israr-ud-Din; A Sovial Geography of Chitral State; Unpublished M.Sc.
s, University of London, London, 1965; Chapter I, pp. 4-31.

دبیات مسلمانان پاک و ہند جلد ۱۴ (حصہ دوم)
قائی ادب (کھوار ادب)
ب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء
ص ۸۹ تا ۱۳۴

ی نالوں کے آبی عمل سے دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی سے زمین کے ٹکڑے وجود میں
ٓ ہیں - نیز بعض علاقوں (مثلاً موڑ کھو) میں جہاں پہاڑوں کا ڈھلوان زیادہ نہیں،
ں ان ڈھلوانوں پر گاؤں بس گئے ہیں -

وادی یارخون چونکہ چترال اور وسطی ایشیاء کے سنگھم پر واقع ہے اس لیے
رال کی تاریخ میں یہ خاص اہمیت کی حامل رہی ہے - جنگ دربند (یارخون) کے
ر اور بریپ گاؤں میں بہمن بادشاہ کے زمانے کے کھنڈرات خاص طور پر قابل
کر ہیں -

چترال کی وادیوں میں سے بمبریت کی وادی بہت مشہور ہے - یہ وادی کالاش
یوں (مثلاً رمبور - بمبریت اور بریر) میں سے ایک ہے اور چترال خاص سے ۱۵-۲۰
ں جنوب مغرب کی طرف واقع ہے - یہ وادی اپنے قدرتی حسن اور قابل دید نظاروں
علاوہ اپنے میں آباد کالاش قبیلے کی وجہ سے بے حد معروف ہے - کالاش لوگ اپنی
نی تہذیب و تمدن، رسم و رواج اور مذہب کے لحاظ سے دنیا کے قدیم ترین باشندوں
ں شمار ہو سکتے ہیں -

چترال کی آب و ہوا سردیوں میں سخت سرد اور گرمیوں میں خوشگوار ہوتی
- بارشیں زیادہ تر دسمبر اور اپریل کے درمیان ہوتی ہیں اور عام طور پر برف کی
ل میں نمودار ہوتی ہیں - گرمیوں میں اگست اور ستمبر میں کچھ بارشیں ہوتی ہیں
اکثر سیلاب کا باعث بنتی ہیں اور خاصی تباہی مچاتی ہیں - بارش کی سالانہ اوسط
انچ ہے -

گندم، جو، مکئی، چاول، ماش، باجرہ یہاں کی عام پیداوار ہے - ان کے علاوہ کئی
م کے پھل مثلاً انار، سیب، ناشپاتی، توت (بیدانہ)، شہتوت، انجیر، خوبانی،
ں، تربوز اور خربوزہ بھی بہتات میں ہوتے ہیں - اگر پاکستان کے دوسرے
موں کے ساتھ رسل و رسائل کا سلسلہ بہتر ہو جائے تو چترال تمام مغربی پاکستان
لیے ان پھلوں کی ضرورت بہ آسانی پوری کر سکتا ہے -

ملکی تقسیم: سابق ریاست چترال کو دو ضلعوں یعنی ضلع چترال اور ضلع مستوج
ں تقسیم کیا گیا ہے - ہر ضلع تین تین تحصیلوں پر مشتمل ہے، مثلاً :

۱- ضلع چترال : تحصیل چترال - تحصیل لٹکوہ - تحصیل دروش -
۲- ضلع مستوج : تحصیل مستوج - تحصیل موڑ کھو - تحصیل تور کھو -

کھو قوم اور اس کی زبان

چترال کی کل آبادی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے - جس میں ۵۸ فیصدی ن
کھو قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں - باقی دوسرے دس چھوٹے چھوٹے قبیلوں
کالاش، بشگالی، گواری (یا ارندوئی)، دامیڑی، ڈانگرک (یا تانگیری)، پٹھان، بدخ
وخک، یخی (یا منجانی) اور گجر پر مشتمل ہیں - کالاش کے علاوہ باقی سب چھوٹے چھ
قبیلے بھی اگرچہ مسلمان ہیں مگر اپنی علیحدہ علیحدہ زبانیں بولتے ہیں اور اپنے ا
رسم و رواج کی پیروی کرتے ہیں - اس طرح ایک دوسرے اور کھو قوم کے ساتھ میل ج
کے باوجود انہوں نے اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رکھی ہے -

کھو اپنے تہذیب و تمدن اور دوسرے اُمور زندگی کے لحاظ سے اپنے ج
علاقوں کے پٹھانوں سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں - البتہ قدیمی تعلق، یکساں تار
رسم و رواج اور روایات کی ہم آہنگی کی بنا پر یہ لوگ گلگت ایجنسی کی مختلف وادی
میں بسنے والے لوگوں سے زیادہ مشابہ ہیں -

کھو قوم کی اصلیت

اپنی اصل کے لحاظ سے کھو آریہ النسل ہیں - آریوں کے ورود سے پہلے قرا
سے لے کر ہندوکش اور ہمالیہ تک تمام علاقوں میں پساچا[1] (Pisacha) نام
ایک قوم آباد تھی - بعد میں جب آریہ آئے تو انہوں نے ان قدیمی باشندوں کو
تو بھگا دیا یا اپنے میں ضم کر لیا - پرانی سنسکرت کتابوں میں ان علاقوں م
آباد شدہ آریوں کو داردا[2] (Darda) یا درادا (Darada) نام دیا گیا ہے - رومن ا
یونانی مصنفین نے ہندوکش اور ہندوستان کے درمیان تمام علاقوں کو دردستان یع
درد لوگوں کے ملک کے نام سے منسوب کیا ہے - یہی وجہ ہے کہ السنہ کی تقسیم م
آج نورستان (پرانا کافرستان) سے گلگت اور استور تک بولی جانے والی تمام زبانوں ک
آریائی درد خاندان کا نام دیا گیا ہے -

خیال کیا جاتا ہے[3] کہ چترال میں جو آریہ حملہ آور آکر آباد ہوئے،

(1) Grierson, Sir G. A.; Linguistic Survey of India, Vol. VIII, Part II; Calcutta 1919; P. 1.
(2) *Ibid.* P. 1. and Biddulph, John; Op. Cit. P. 155.
(3) *Ibid.* pp. 7-9.

ں سے بعد میں آئے، جنہوں نے پہلے آ کر کافرستان سے گلگت وغیرہ علاقوں
ہ کیا تھا۔ اس طرح اگرچہ یہ بعد میں آئے ہوئے آریہ باشندے اپنے پیشرو آریوں
نسل تھے، مگر اپنی زبان میں مختلف عناصر اور صفات کے لحاظ سے ان سے
د تک مختلف ہو گئے تھے۔ لہٰذا یہ تمام دردستان کے درمیان خلیج بن کر رہ
ر شین گروہ (جو گلگت ایجنسی کے علاقوں میں آباد ہیں اور جو اصلی درد ہیں)
ہ سے (جو چترال کے جنوبی حصوں سے کابل تک کے علاقوں میں آباد تھا) علیحدہ

یوں کے پھیلاؤ اور ان علاقوں میں اس طرح آباد ہونے کے بعد تاریخ میں اس قسم
ع پیمانے پر انتشار کی مزید مثال ملنی مشکل ہے۔ اس لیے یہ اندازہ لگایا جا سکتا
چترال میں آباد شدہ قدیمی کھو آریاؤں کی نسل سے ہیں۔ موجودہ وقت میں
و باشندے ہیں ان کو اصلیت کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) قدیمی کھو (۲) بعد میں آئے ہوئے کھو

۱) قدیمی کھو: جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے یہ وہ آریہ ہیں جو قریباً تین
ل پہلے ان وادیوں میں آباد ہوئے تھے۔ آج یہ قدیمی کھو چھوٹے چھوٹے
ں پر مشتمل چترال کے مختلف حصوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ عجیب بات
ان کی آبادی میں کسی قدر اضافہ ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ کسی گاؤں میں
کا ایک ہی خاندان کے چار گھروں سے زائد کا ملنا مشکل نظر آتا ہے۔
وجہ وہ ناسازگار حالات ہیں، جن کے یہ لوگ صدیوں سے شکار رہ چکے ہیں۔
الوں سے جو بھی لوگ باہر سے بہ حیثیت حملہ آور، فاتح یا مہاجر چترال
انہوں نے ان قدیمی کھو باشندوں کے ساتھ اپنے غلاموں جیسا سلوک کیا۔
مال و متاع پر قبضہ جمایا اور ان کے پاس صرف اس قدر رہنے دیا جس سے
کل گزر اوقات کر سکتے تھے۔ ان حالات میں جب کہ ایک خاندان کے
یادہ بھی ہوتے ان کو باہر کہیں گزر اوقات کی تلاش میں گھر چھوڑنا پڑتا اور
ع مجبوراً ان کو اپنے حصے کی جائیداد سے خاندان کے پسماندہ افراد کے حق میں
دار ہونا پڑتا۔

۲) بعد میں آئے ہوئے کھو: یہ وہ لوگ ہیں جو مختلف ادوار میں بدخشان،
روس اور چینی ترکستان، گلگت ایجنسی، دیر، سوات اور افغانستان کے مختلف
سے آ کر چترال میں آباد ہوتے رہے۔ یہ تقریباً دو سو خاندانوں پر مشتمل ہیں، جن
اکثر حملہ آوروں کی حیثیت سے یا حملہ آوروں کے ساتھ ان کی مدد کرتے ہوئے چترال

میں وارد ہوئے اور ان وادیوں پر قبضہ کرنے کے بعد پھر یہیں کے ہو رہے۔ ایسے بھی کئی
جو باہر سے بھاگ کر ان علاقوں میں پناہ لینے کے لیے آئے اور جنہوں نے یہیں سکونت اخ
کر لی اور یہاں کے قدیم باشندوں کو اپنے زیر نگین کرکے غلام یا رایت بنا کے رکھ دیا۔

ان کا اختلاط اور ایک دوسرے پر اثر: باہر سے آنے والے یہ لوگ دور د
کے علاقوں سے آنے کی وجہ اور مختلف پس منظروں سے تعلق رکھنے کی بنا پر
صرف قدیمی کھو سے مختلف تھے بلکہ ایک دوسرے سے بھی بہ لحاظ زبان، طرزِ معاشرت
رسم و رواج اختلاف رکھتے تھے۔ بعد میں رہنے سہنے کے سبب اور ایک دوسرے سے شا
بیاہ کرنے کے باعث یہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے میں گھل مل گئے اور باوجودیکہ
لوگ قدیمی کھو کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک روا رکھتے تھے مگر پھر بھی ان سب
بحیثیت ایک مشترکہ زبان کے کھووار کو اپنانا پڑا۔ قدیمی کھو کے طرزِ بود و باش کا
ان سب نے اثر لے لیا اور چونکہ چترال کے گرد و نواح کے علاقوں کے باشندوں سے
لوگوں کو اکثر خطرہ لاحق رہتا تھا، اس لیے حفظِ ما تقدم کے طور پر ان کے لیے یہ نہا
ضروری تھا کہ متحد ہو جائیں اور اس طرح اپنی حفاظت کر سکیں۔ لہٰذا اس احساس
ان کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد میں جب ان
وادیوں میں اسلام پھیل گیا تب ان میں یک جہتی اور یگانگت کو اور بھی تقویت ملی۔ لہٰذ
ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے اور دور دراز کے علاقوں سے آنے کے باو
یہ سینکڑوں خاندانوں پر مشتمل لوگ ایک ہو گئے ہیں اور سب اپنے آپ کو کھو سمجھ
ہیں۔ سب ایک زبان یعنی کھووار بولتے ہیں اور سب نے ایک ہی قسم کی طرزِ بود و
اپنالی ہے۔

کھووار: کھو قوم کی زبان کھووار ”کھو“ اور ”وار“ کے الفاظ سے مرکب
”وار“ کا لفظ مقامی طور پر زبان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا کھووار کے معنی کھو
کی زبان ہے۔ ڈاکٹر لائٹنر[۱] (Dr. Leitner) نے اس زبان کو آرنیہ (Arniya) کا نام
دیا ہے۔

مشہور ماہرِ لسانیات سر جارج گریئرسن نے کھووار کو آریائی زبانوں کے درد خا
میں شامل کر دیا ہے۔ اس خاندان میں ذیل کی زبانیں شامل ہیں[۲]۔

---

(۱) Leitner, Dr. G. W.;—The Languages and Races of Dardistan, Part I, com-
tion, grammer & vocabulary of......Arniya......, Lahore 1877.

(۲) Grierson, Sir George A; Linguistic Survey of India, Vol. VIII, Part II;
cutta 1919; P. 2.

(الف) کافر گروپ : (۱) بسگالی وار (۲) دابی الا (۳) ویرون (۴) اشکند (۵) کلاشہ
اور پاشائے گروپ مثلاً کلاستوڑ ، گوار بتی ، پاشائے لغانی ، دیغانی ،
دیری ، تیراہی -

(ب) کھووار - چترالی یا آرنیہ -

(ج) اصل درد گروپ : (۱) شنا (۲) کشمیری اور (۳) کوہستانی

گریئرسن کی رائے کے مطابق اگرچہ کافر گروپ کے ساتھ کھووار کی کچھ قدر مشترک ہے مگر دوسری زبانوں کے مقابلے میں یہ ایک آزاد مقام رکھتی ہے - البتہ ''درد خاندان میں شامل دوسری تمام زبانوں کی بہ نسبت کوہ ہندوکش کے شمال میں مروجہ غالچہ زبانوں کے ساتھ اس کا گہرا رابطہ ہے[۱]''۔

درد خاندان میں شامل زبانوں کا ایک دوسرے سے موازنہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ درد گروپ کا کافر گروپ کی زبانوں کے ساتھ بہ نسبت کھووار زیادہ گہرا رشتہ ہے اور بڈلف کی رائے کے مطابق کسی زمانے میں اس تمام علاقے یعنی دردستان میں ایک ہی زبان بولی جاتی تھی جسے بعد میں کھووار زبان نے درمیان میں حائل ہو کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا[۲]- گریئرسن اس کا جواز یوں پیش کرتے ہیں کہ کھووار ''ان درد حملہ آوروں کی زبان معلوم ہوتی ہے جو بعد میں آ گئے تھے -'' اس لیے اس زبان نے اپنے میں موجود غالچہ اور ایرانی خصوصیات کی وجہ سے اصل درد گروپ اور کافر گروپ کی زبانوں کے درمیان حائل ہو کر ان کو ایک دوسرے سے جدا[۳] کر دیا - موجودہ دور کے مشہور ماہر لسانیات پروفیسر مارگنٹائن جنہوں نے افغانستان اور مغربی پاکستان کی شمال مغربی اور مغربی زبانوں پر دقیق ریسرچ کی ہے ، کھووار پر کوہ ہندوکش کے پار والی زبانوں کے اثر کے بارے میں گریئرسن کو حق بجانب قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ کھووار کے ''ذخیرۂ الفاظ میں زیادہ تر الفاظ ایسے ہیں جن کا ہندی آریائی خاندان میں کوئی نشان نہیں ملتا - اس میں کافی تعداد ایسے الفاظ کی ہے جو ایرانی زبانوں سے اخذ شدہ ہیں - اس کے علاوہ بروشسکی اور شنا زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں - لیکن بے شمار ایسے الفاظ بھی ہیں جن کا مآخذ معلوم نہیں[۴] '' -

(۱) Grierson, Sir George A; Linguistic Survey of India, Vol. VIII, Part II; Calcutta 1919; P. 2.

(۲) Biddulph, Major John:—Dialects of the Hindu Kush; Journal of the Roy Asiatic Society Bengal Vol. XVIIJ, London, 1885.

(۳) Grierson, Sir George A:—Op. at; p. p. 7-9.

(۴) Morgenstierne, George:—Some Features of Khowar Morphology; Oslo 194 p. 6.

پروفیسر موصوف ایک جگہ کھووار کی اہمیت کے بارے میں ان خیالات ک
کرتے ہیں ''کھووار نے سنسکرت سے بالکل مختلف رہ کر اپنا ایک نیا تصریفی
(Inflectional System) بھی بنایا ہے لیکن اپنی بناوٹ کے لیے اس نے اپنے علیحدہ محل
میں کسی دوسری ہندی آریائی زبان کے مقابلے میں زیادہ تر ایسے مواد کا استعمال کیا
کہ زمانۂ قدیم سے تعلق رکھتا ہے - لہٰذا ہندی آریائی زبان کے ارتقاء کو سمجھنے
یہ زبان نہایت اہمیت کی حامل ہے[۱]''

کھووار ابجد : ''کھووار'' میں ایرانی آریائی اور ہند آریائی دونوں خاندان
صفات موجود ہیں اس لیے کھووار کے ابجد میں وہ تمام حروف تہجی موجود ہیں جو کہ
یا عربی اور اُردو وغیرہ میں شامل ہیں - ساتھ ساتھ مقامی حالات کے زیر اثر (یا شاید
باشندوں پساچا کے اثر سے) کھووار میں کچھ نئے اعراب کا بھی اضافہ ہوا ہے جن
ذیل کی علامتیں مقرر کی گئی ہیں -

ح (TJ) ح (TC) ح (TCH) ر (TZ) ، س (TSH) - ان کے علاوہ کھووار میں
زائد مرکب حروف مثلاً حھ (TCC) حھ (TCHH) اور گیارہ زائد اعراب (wels
ہیں - یاد رہے کہ اگرچہ ڑ کا حرف کھووار حروف میں شامل ہے مگر بولنے میں یہ ڑ سے
مختلف ہے بلکہ اس کی آواز ل اور ڑ کی درمیانی آواز سے ملتی جلتی ہے -

(۱) Morgenstierne, George:—Some Features of Khowar Morphology; Oslo 1947, . 28.

سیاسی تاریخ کا پس منظر

ی تاریخ : گذشتہ ڈھائی ہزار سالوں کے دوران میں سابق ریاست چترال مختلف
ون کے زیرِ اثر رہی ہے - جن میں سے سلطنتِ ایران[1] (ہخامنشی) کشان[2]
خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں - ان وادیوں میں اسلام کا ظہور سب سے پہلے بالائی
ہوا کیونکہ مسلمانوں نے اس طرف سے حملہ کر کے وہاں کے بادشاہ بہمن کو
ں، وہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا اور خود واپس چلے گئے[3]- مگر باقی حصوں
ے کافی دیر تک مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے - مختلف حصوں میں پتھروں اور چٹانوں
ے کتبے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان علاقوں کے باشندے دسویں صدی میں بدھ
ے پیرو تھے اور راجہ جے پال والئی پشاور داخان کے ماتحت تھے[5]-
رھویں صدی سے چودھویں صدی تک چترال کے جنوبی حصوں پر کالاش قابض رہے-
ہد میں شاہ نادر رئیس نے جو کہ سلطنتِ چین کی طرف سے بالائی چترال کا گورنر
ر آیا تھا، شکست دے کر اپنے زیرِ نگیں کر لیا اور پھر اپنی سلطنت کو وسعت
گلگت تک پہنچا دیا اور رئیسیہ خاندان کی بنیاد ڈال دی - اس خاندان نے سولھویں
آخیر تک حکومت کی - اس کے بعد خاندان نے ان سے حکومت چھین لی[6]-
خاندان کٹور کہلاتا ہے اور یہ دعویٰ رکھتا ہے کہ وہ تیمور لنگ کی نسل سے
ایت کے مطابق بابا ایوب جو کہ تیمور کا پوتا تھا[7] ایک درویش کی حیثیت سے
یا - اس کے پوتے سنگین علی اول نے اس زمانے کے رئیسیہ خاندان کے بادشاہ کے

(١) Fraser-Tyler, Sir K.; Afghanistan; London 1951, p. 17
(٢) Smith, V. A.; Oxford History of India; Oxford 1957, p. 149.
(٣) (*i*) *Ibid*, p. 192 and (*ii*) Stein, Sir Aurel; Serindia Vol. I; Oxford 1921; pp
(٤) Murtaza, Mirza Ghullam; Nai Tarkh-e-Chitral (Urdu); Peshawar 1962,
(٥) Biddulph, John; Tribes of the Hindu Kush; Calcutta 1880, p. 149.
(٦) (*i*) Murtaza, M. G.; Op. Cit. p p 28-43, and
(*ii*) Schomberg, R.C.F.; Kafir's Glaciers; London 1936, p. 263.
(٧) میرزا غلام مرتضیٰ (مولف) نئی تاریخ چترال (اُردو) موجودہ خاندان کا سلسلہ نسب یوں
رتے ہیں : بابا ایوب ابن شہزادہ فریدون حسین - ابن سلطان حسین والئی ہرات - ابن
ہدین - ابن امیر زادہ بایقرا - ابن عمر شیخ بہادر ابن سلطان ابوسعید مرزا - ابن امیر تیمور
ان (٤٩) -

دربار میں عزت اور شہرت پائی - اس کی وفات کے بعد اس کے پوتے محترم شاہ اور خوش
نے ملکی انتشار اور بادشاہِ وقت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر رئیسیہ بادشاہ کو ملک بدر ک
اور خود حکومت پر قابض ہو گئے - اس وقت چترال کی سرحدیں گلگت سے چغانس
(افغانستان) تک پھیلی ہوئی تھیں - اس تمام سلطنت کو محترم شاہ اول اور خوشوقت نے
میں تقسیم کر لیا - زیریں حصے میں موڑ کھو اور تور کھو کے علاقے شامل کرکے محتر
نے اپنی سلطنت قائم کی اور ''کٹور''[1] کا لقب اختیار کرکے سابقہ خاندان کی
رکھ دی - ریاست چترال کا بالائی حصہ یعنی مستوج سے گلگت تک کا علاقہ خوشوقت
حصے میں آیا، جہاں اس نے خوشوقتے خاندان کی حکومت قائم کر دی[2]-

اس کے بعد ١٦٥٠ء تک چترال کی تاریخ رئیسیہ اور کٹور خاندانوں کے د
لڑائیوں اور جنگ و جدال کی ایک المناک داستان ہے - مگر رئیسیہ پر غالب آنے کے
کٹور اور خوشوقتے خاندانوں کی آپس میں مخالفتیں اور لڑائیاں شروع ہو گئیں اور تقریباً
سال تک سابقہ ریاست مزید قتل و غارت کی آماجگاہ بنی رہی اور یہاں کے عوام ظلم و س
مصائب و آلام سہتے رہے -[3]-

١٨٧٠ء کے بعد چترال کے حالات نے پلٹا کھانا شروع کیا اور چترال کی تاریخ
زبردست موڑ آیا - یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یہاں مہتر امان الملک حکمران تھا - جس
بارے میں لارڈ کرزن یہ رائے رکھتا تھا کہ وہ ''ایسی ریاست اور ایسے دور کے لیے
ہی موزوں شخصیت تھا[4]-'' اس کے دور میں ریاست زیادہ تر بیرونی خطرات سے
رہی - ایسے حالات میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح بیرونی طاق
ساتھ حفظِ ماتقدم کے طور پر گٹھ جوڑ کیا جائے - مہتر امان الملک آخر کار مہاراجہ
کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہو گیا - مہاراجہ مذکور کو چونکہ ایسے

(١) تزک بابری - تاریخ بناقیطی (Binakiti) اور جمع التواریخ کے حوالے سے بڈلف رقمطر
کہ کٹور نام بہت پہلے سے اس علاقے کے ساتھ وابستہ ہے اور کابل کے ترک بادشاہوں کے
خاندان کے بادشاہ کا نام بھی کٹاران (Kataran) یعنی ''کٹوروں کا بادشاہ'' تھا (s of the
Hindukush; P. 148.) موجودہ خاندان کے اس نام کو اپنانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی -
پرانے بڑے بادشاہوں کے ساتھ منسوب ہونے کی وجہ سے اس نام میں نفسیاتی کشش اور دبدب
اس لیے موجودہ خاندان نے جس نے کہ غیر معمولی حالات میں حکومت پر قبضہ کی
لوگوں کو مرعوب کرنے کی خاطر یہ نام اختیار کیا ہوگا -
(٢) میرزا غلام مرتضیٰ: نئی تاریخ چترال - صفحہ ٩٤، پشاور ١٩٦٢ء -
(٣) ایضاً صفحہ ٤٣ - ١١٣ -
(٤) Curzon, Lord Kedleston; Leaves From a Viceroy's Notebook, London 1927.

روسی خطرے کے
ی تلاش تھی ساتھ ساتھ اس وقت برطانوی حکومت بھی شمال میں
نظر یہ چاہتی تھی کہ ان شمالی علاقوں پر اگر بلاواسطہ نہیں تو کم از کم، بالواسطہ
ا تسلط رہے، لہذا اس نے مہاراجہ کشمیر کو اپنی مخصوص ہدایات کے مطابق
چترال کے ساتھ معاہدہ کرنے کی اجازت دے دی - جس پر ۱۸۷۹ء میں دستخط ہوئے اور
طرح سابقہ ریاست چترال ایک نئے دور میں داخل ہوئی[۱] -
اب بیرونی خطرات سے ہر طرح محفوظ رہ کے مہتر امان الملک نے اندرونی طور پر اپنے
حریفوں کا خاتمہ کر دیا اور اپنی بادشاہت اسمار (افغانستان) سے لے کر گلگت ایجنسی
اشقاموں تک پھیلا دی[۲]- ۱۸۸۵ء میں برطانیہ اور روس کے درمیان تعلقات خراب
ئے اور برٹش حکومت نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ان شمالی علاقوں پر اپنا تسلط اور
دہ مضبوط کرے - لہذا کرنل لاکہارٹ (Col. Lockhart) ایک مشن لے کر چترال
اور مہتر امان الملک کے ساتھ دوستی کا مکمل معاہدہ کر لیا - اس کے بعد ۱۸۸۸ء میں
ورنڈ کو چترال بھیج دیا گیا جس نے چترال میں ایک برٹش ایجنسی قائم کی - نتیجۃً
ب برطانوی حکومت اور سابقہ ریاست چترال کے درمیان تعلقات زیادہ واضح صورت اختیار
ر گئے اور مؤخر الذکر حکومت نے کشمیر دربار کی معیّت میں اس کی محدود طور کی
سانروائیت قبول کرلی - جسے سابقہ ریاست چترال نے بخوشی مان لیا''[۳]-
۱۸۹۲ء میں مہتر امان الملک کی وفات پر اس کے بیٹوں میں تخت کے لیے خانہ جنگی
روع ہو گئی - جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۹۵ء میں برطانوی حکومت نے مکمل طور پر
ترال پر قبضہ کر لیا اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کرکے جنوبی حصے کے لیے جس میں
ور کھو، موڑکھو، چترال اور دروش کے علاقے شامل تھے، مہتر امان الملک کے چودہ
سالہ لڑکے شجاع الملک کو بادشاہ تسلیم کر لیا - مستوج اور گلگت ایجنسی میں چترال کے
ماتحت علاقوں پر الگ گورنر مقرر کر دیا[۴]- ۱۸۹۲ء میں جب ڈیورنڈ لائن مقرر کی گئی
تو چترال کے جنوبی حصے میں باشگال اور اسمار تک کے علاقے افغانستان کو دے کر ریاست

(۱) (*i*) Murtaza, Mirza G.,—Op. Cit. pp. 114-128.
(*ii*) Curzon, Lord K; Op. Cit. p. 105 and
(*iii*) Alder, Garry;—India's Northern Frontier. London 1963, pp. 121-122.
(۲) Curzon, Lord, K.; Op. Cit; p. 108.
(۳) *Ibid*; p. 108
(۴) (*i*) Ansari, Bazmee;—The Encyclopaedia of Islam (New Edition), Vol. 2, Luzzac London 1963; p. 30.
(*ii*) Robertson, Sir G.;—Chitral, Story of a Minor Seige; London 1898, pp. 201-356.
(*iii*)Murtaza,Mirza Ghullam; op. Cit. pp. 151-179

کو ان سے محروم کر دیا گیا[۱] -
۱۹۱۴ء میں مستوج کا علاقہ واپس چترال کو مل گیا اور چترال کی
سرحدیں متعیّن کی گئیں - ۱۹۱۹ء کو مہتر شجاع الملک کو ان کی ''شاندار
کے عوض 'مہتر' کا خطاب اور ''ہز ہائی نس'' کا لقب ملا - آپ نے ۱۹۳۶ع
پائی اور ان کے بعد ہزہائی‌نس محمد ناصر الملک (۱۹۳۶ء - ۱۹۴۳ء)،
محمد مظفر الملک (۱۹۴۳ء - ۱۹۴۸ء) اور ہز ہائی نس سیف الرحمان (۱۹۴۸ء -
یکے بعد دیگرے چترال کے مہتر بنے - ۱۹۵۴ء سے زمانہ حال تک سیف الم
ریاست کے والی تھے -
۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو چترال نے تمام ریاستوں میں سب
اس عظیم اسلامی مملکت میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا - اس کے بعد
بیس سالوں کے دوران میں چترال نے مختلف شعبوں میں جو نمایاں ترقی
اس کی مثال اس کی پوری تاریخ میں ملنی مشکل ہے - پاکستان بنتے ہی لو
آزادی کا شعور جاگ اٹھا - ایک سال کے اندر اندر چترال مسلم لیگ کا قیام ع
گیا - جس نے لوگوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرکے صدیوں سے ان پ
جانے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق دلایا - نتیجہ یہ ہوا کہ
میں حکومت پاکستان نے سابق مہتر چترال ہز ہائی نس سیف الرحمان کے سا
کرکے نئے قوانین نافذ کیے جس کی رو سے والئی ریاست وہاں کے سربراہ اور
پولیٹیکل ایجنٹ ان کا مشیر اعلیٰ ہونا قرار پایا - سابقہ ریاست کے مختلف ص
نئے طور پر تشکیل دے کر گورنری نظام اور پرانے انتظامیہ کا طریقہ ختم
گیا - اس کی جگہ تمام سابقہ ریاست کو دو ضلعوں اور چھ تحصیلوں میں تقس
دو ڈپٹی کمشنروں اور چھ تحصیل داروں کے زیر انتظام کر دیا گیا - باڈی
نظام کی جگہ چترال پولیس فورس کا قیام عمل میں آیا - مختلف شعبوں مثلاً
خزانہ، مالیہ، تعمیرات، تجارت اور جنگلات وغیرہ سے متعلق اُمور کے انتظام
سیکرٹریٹ قائم ہوا اور تمام عہدوں اور ملازمتوں پر تقرریاں امیدواروں کی ذہنی
علمی قابلیت اور تجربے کو سامنے رکھ کر عمل میں لانے کا فیصلہ کیا گیا -
۱۹۶۶ء سے چترال کو ایک علیحدہ ایجنسی کا درجہ دے دیا گیا - اس طرح
ایجنسی کے ساتھ اس کا پچاس سالہ تعلق ختم ہو گیا، جو ۱۹۶۹ء تک براہ را
کمشنری کے ماتحت تھی -

) Scott, I.D.;--Notes on Chitral, Peshawar 1936. p. 2.

بخی اثرات : کسی ملک کے لوگوں کے طرزِ معاشرت ، ادب و ثقافت اور
موصیات پر اس ملک کی تاریخ نہایت ہی اہم اثرات ثبت کرتی ہے ۔ چترال
تاریخ نے بھی کھو قوم کے ان مختلف پہلوؤں پر اہم اثرات چھوڑے ہیں ۔
شرے پر اثر : تاریخ کے مختلف ادوار میں چترال کا چین، ترکستان اور بدخشان
کے ساتھ جو تعلق رہا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کے گرد و نواح کے علاقوں
مختلف النسل باشندے چترال میں وارد ہوتے آئے ہیں ، انہوں نے یہاں کے
کو بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے ۔
رالی معاشرے کو چند سال پہلے تک تین طبقوں یعنی آدم زادہ (اعلیٰ طبقہ)
دہ یا یوفت (درمیانی طبقہ) اور فقیر مسکین (پست طبقہ) میں تقسیم کیا جاتا تھا ۔
حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ طبقہ بندی یہاں کی تاریخ کا ورثہ
اس لیے کہ سابقہ ریاست چترال میں اکثر جنگ و جدال کا بازار گرم
اور یہاں کا حکمرانِ وقت ہمیشہ اپنے آپ کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس
ا ۔ چنانچہ وہ اپنی حفاظت اور لوگوں کو اپنا طرفدار بنانے کے لیے مختلف
خاندانوں کے بڑے بڑے اُمراء کو انعام و اکرام سے نوازتا اور ان کو زمینیں
گیریں دے کر اپنے ساتھ ملاتا ۔ اس قسم کے خواص وقت گزرنے کے ساتھ
ئی پشتوں تک بادشاہ کے خاندان کے وفادار چلے آتے ۔ ان میں ایسے لوگ بھی
و جاتے جو حکمران طبقے کے خاندان سے ہوتے ۔ اس قسم کے تمام لوگوں
دم زادہ طبقہ" کا نام مل گیا ۔ ان کے مقابلے میں وہ لوگ جو معمولی دہقانی
یا دوسروں کے مزارع بن کر زندگی گزارتے ، وہ فقیر مسکین کہلائے جانے
س طبقے میں زیادہ تر ایسے لوگ بھی شامل تھے جو چترال کے اصلی یا
باشندوں کی اولاد میں سے تھے اور جو گردشِ ایام سے مفتوح اور محکوم چلے
ے ۔ ان دو طبقوں کے درمیانی طبقے کا نام "ارباب زادہ" یا یوفت پڑ گیا ۔ ان کی
رمیانی تھی ۔ نہ یہ اتنے طاقتور تھے کہ اعلیٰ طبقے میں شامل ہو سکتے اور نہ ان کی
تنی سقیم تھی کہ فقیر مسکین کہلاتے ۔ یہ زیادہ تر حملہ آوروں کی معیت میں آئے
یا بطور پناہ گزیں یا کسی اور صورت میں چترال میں آ کر آباد ہو گئے ۔

معاشرہ

کھو قوم کے افراد ایک ترقی یافتہ تمدن کے مالک ہیں ۔ ان کے معیارِ زند
طور و اطوار اور کاشت کاری کے طریقے دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاتا[۱]
کھو معاشرے کے مختلف پہلوؤں کا مختصر سا جائزہ دیا جاتا ہے ۔
بود و باش : کھو باشندے گاؤں میں رہتے ہیں ۔ یہ گاؤں اتنے بڑے نہیں ہ
جتنے پاکستان کے دوسرے حصوں میں ہوتے ہیں ۔ بہت کم ایسے گاؤں ملیں
جن کی آبادی دو تین ہزار تک ہو گی ۔ ورنہ ایک گاؤں میں بمشکل ایک ہزار نف
آباد ہوتے ہیں ۔ گاؤں کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا دار و مدار جگہ کی موزونیت
قدرتی حالات کی موافقت پر ہوتا ہے ۔
گاؤں کے لوگ اپنے اکثر کام امداد باہمی کے اصولوں کے تحت سر انجام
ہیں اور آپس میں تعاون اور امن و آشتی سے زندگی بسر کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے
چترال میں (خاص طور پر کھو قوم میں) چوری چکاری ، ڈاکہ زنی ، قتل و غارت او
قسم کے جرائم کم پیش آتے ہیں ۔
گاؤں کی زندگی میں مسجد (سنی آبادیوں کی صورت میں) یا جماعت خانہ (اس
آبادی ہونے کی شکل میں) اہم مقام ہوتے ہیں ۔ یہ عمارتیں عبادت کے علاوہ دو
اجتماعات کے بھی کام آتی ہیں ۔ جن میں لوگ مختلف ضروری اُمور پر تبادلہ خیال
ہیں ۔ کھو باشندوں کے گھر اپنے طرزِ تعمیر ، نفاست اور معیار کے لحاظ سے ا
عقل و دانش کا مظہر ہیں ۔ ایک گھر عام طور پر دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے[۲] ۔
۱۔ "دور" (انسانوں کے رہنے کا حصہ)
۲۔ "شال مودی" (مویشی خانہ)
یہ دو حصے کہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملحق (مگر ایک دوسرے کی

(۱) Stein, Sir A; Serindia Vol. I, Oxford 1921; p. 28

(۲) (*i*) Israr-ud-Din; A Social Geography of Chitral State; Unpublished M.Sc.
, University of London 1965, pp. 112-126.

(*ii*) Idem:—Settlement Pattern and House Types in Chitral State, Pakistan
raphical Review, Vol. 21, No. 2; Lahore 1966.

بنائے جاتے ہیں اور کہیں علیحدہ علیحدہ جگہوں پر - بالائی طبقہ کے اکثر خاندان
تمام مال مویشیوں کے لیے گھر سے ہٹا کر اپنے کھیتوں کے کنارے جگہ بناتے
- جسے ''شالدین'' کہا جاتا ہے -

دولتمند گھروں میں ''دور'' یا گھر دو حصوں یعنی ''اندرین'' (اندرونی) اور
بری'' (بیرونی حصہ) میں منقسم ہوتا ہے - اندرونی حصے کو گھر کے افراد خود
عمال کرتے ہیں اور بیرونی حصہ مہمانوں کے لیے وقف ہوتا ہے - یاد رہے کہ
ان نوازی کھو کلچر کا اہم جزو ہے - ان اندرونی اور بیرونی حصوں کے گردا گرد
دیواری ہوتی ہے - جس کے اندر دونوں حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ باغ بنائے جاتے
- کمروں کی تعداد مالک مکان کی حیثیت اور استطاعت کے مطابق ہوتی ہے - چار دیواری
اندر ایک باغیچہ ضرور ہوتا ہے - کیونکہ کھو قوم کے افراد میوہ دار اور سایہ دار درخت
نے اور پھولوں کی کیاریاں بنانے کو بے حد اہمیت دیتے ہیں - نیز ہر ایک آدمی اپنے
ر میں صاف اور رواں پانی کی نالی گزارنے اور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے آبشار بنانے کا
ں طور پر شوق رکھتا ہے -

''ختان'' یعنی کمرہ اندرونی طور پر کئی حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے - ہر ایک
ے کا خاص مقصد ہوتا ہے - مثلاً :

۱- شوم : دروازے سے داخل ہوتے ہی پہلا حصہ ہوتا ہے جو نوکروں کے کھڑے
نے یا ہل لکڑی وغیرہ چیزیں رکھنے کے کام آتا ہے - جوتے بھی اتار کر یہیں رکھے
تے ہیں - اس کے ایک طرف اینٹوں سے بنا ہوا غسل خانہ بھی ہوتا ہے -

۲- بیند : اسے لکڑی کے تختوں کے ذریعے شوم سے جدا کیا جاتا ہے اور انگیٹھی
تین طرف بنا ہوتا ہے - جسے فرش بچھا کر بیٹھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے -
نمبر ۱ کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے ، جہاں گھر کے مالک یا مالکہ بیٹھتے ہیں اور
کوئی بزرگ رشتہ دار مہمان آئے تو اسے بھی وہیں بٹھایا جاتا ہے - باقی دو بیندوں پر
ن بیٹے یا بیٹیاں یا اور رشتہ دار بیٹھتے ہیں - چھوٹے بچے عام طور پر باپ یا ماں کے ساتھ
نمبر ۱ پر بیٹھتے ہیں - بیند نمبر ۲ پر دسترخوان بچھا کر گھر کا مالک اپنے بیٹوں کے
کھانا بھی کھاتا ہے -

۳- ٹک : یہ ''بیند'' سے قریباً ایک فٹ اونچا ہوتا ہے اس کے کچھ حصے پر فرش
ا جاتا ہے - جہاں (جب مرد گھر میں ہوں) عورتیں بیٹھتی ہیں - گھر کی مالکہ یہاں
کر کھانا تقسیم کرتی ہے - ٹک پر دیوار کی طرف برتن وغیرہ رکھنے کے لیے جگہ بناتے

ہیں - اس کے اوپر الماریاں یا طاق بھی بنائے جاتے ہیں -

۴- نخ : 'نخ' چار ہوتے ہیں - نمبر ۱ اور نمبر ۲ بیند سے تختوں کے
جاتے ہیں اور سونے کے لیے استعمال ہوتے ہیں - نخ کو اینٹوں یا پتھر
ذریعے ''شوم'' سے الگ کیا جاتا ہے - کبھی کبھی بالائی طبقوں
سامنے پردے ڈال کر ان کو کیبن (کھو کھے) کی شکل دے دی جاتی
طور پر ''پنزیر'' کہا جاتا ہے - نخ نمبر ۳ نماز پڑھنے کے لیے مخصوص
نخ نمبر ۴ برتن رکھنے اور سٹور کو جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے -[1]

کنبہ : کھو گھر کا سربراہ باپ ہوتا ہے اور گھر کے اندرونی معاملوں
ہوتی ہے - ایک گھر میں اوسطاً سات افراد ہوتے ہیں - بالائی طبقوں کے
کی تعداد اوسطاً تیس تک پہنچ جاتی ہے - جس میں ان کے نوکر اور نوکر
شامل ہوتے ہیں -

ذریعہ معاش : لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر کاشت کاری ہے - ج
چراگاہیں زیادہ ہیں اور جو گاؤں کے نزدیک ہیں ، وہاں کے لوگ کاشت کاری
بھیڑ بکریاں بھی پالتے ہیں - جہاں بھیڑیں زیادہ ہوں ، وہاں لوگ گرم کپڑ
بن کر روزی کماتے ہیں -

رسومات

شادی : پندرہ بیس سال قبل شادی عام طور سے بچپن میں ہی کر دی
اب یہ رواج ختم ہوتا جا رہا ہے -

خفیہ طور پر لڑکی کے والدین کی رضا مندی حاصل کرنے کے بعد کسی
لڑکے والے بارات لے کر دلہن کے گھر پہنچ جاتے ہیں - وہاں ان کا بڑے شان
خیر مقدم کیا جاتا ہے - اس کے بعد شریعت کے مطابق نکاح پڑھایا جاتا
وغیرہ اپنی معاشی حالت کے پیش نظر مقرر کرتے ہیں - پھر دولہا کو زنانہ حص
ساس اور دوسری رشتہ دار خواتین سے ملنے لے جایا جاتا ہے - اس کے بعد دولہا
درمیان میں بٹھا کر ان کے سامنے ایک تھالی میں بھرا ہوا پنیر رکھتے ہیں ج

(۱) عام استعمال میں ''بیند'' روش کو ''ٹک'' اونچے حصے کو اور ''نخ''
کہتے ہیں - لیکن چونکہ عرصہ دراز سے یہ الفاظ کھووار ختان کے ان مختلف حصوں کے
رہے ہیں اس لیے اب یہ ذومعنی الفاظ بن گئے ہیں - ہاں البتہ لفظ ''شوم'' کے کو
معنی نہیں -

کھاتے ہیں۔ اسے عرف عام میں ''اشپیرو بانوں'' (یعنی سفید کھانا) کہا جاتا ہے
میں سے جو بھی پہلے لقمہ اٹھائے، وہی آگے چل کر بالا دست ہوگا۔ یہ بھی
یا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے دولہا اور دلہن کے اس طرح بیٹھ کے ''اشپیرو بانوں''
سے نکاح کی رسم مکمل ہوجاتی تھی۔

کاح ہوتے ہی دلہن کو دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا جاتا ہے۔ مگر عام طور
بارات دلہن کو لے کر واپس ہوتی ہے تو دولہا کے گاؤں کے لوگ ناچتے گاتے ڈھول
ور بندوقیں داغتے ہوئے ان کا استقبال کرتے ہیں۔ وہ دن اور تمام رات رقص و سرور میں
تی ہے اس دوران جو بھی مہمان دور یا نزدیک سے آتے ہیں ان سب کی خاطر خواہ تواضع
ہے۔ یاد رہے کہ دلہن کو گھر لانے کے بعد جو کوئی بھی مبارک باد دینے کے
ہے، اس کی خدمت میں حتیٰ الوسع ''اشپیری'' یا شیرینی پیش کی جاتی ہے۔

دائش: اگر کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو تو بندوق داغ کر اس کا اعلان کیا
ہے۔ تمام رشتہ دار دوست و احباب اور گاؤں والے بچے کے لیے تحفے یعنی ''وارزا
ی'' لے کر مبارک باد دینے آتے ہیں۔ سب مہمانوں کی حسب توفیق تواضع کی
ہے اور متواتر تین دن تک اور کبھی کبھی سات دن تک رقص و سرور کی محفلیں
ہیں۔ لڑکی کی پیدائش پر اس طرح جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا۔

اعلیٰ طبقوں اور خاص کر حکمرانوں میں اپنے بچوں کو رضاعت کے لیے کسی دوسرے
ن کی تحویل میں دینے کی رسم عام ہے۔ یہ رضاعی والدین چھ یا سات سالوں تک
ے کی مکمل پرورش کرکے اس کو واپس اصل والدین کے حوالے کر دیتے ہیں۔ رضاعی
ن اپنے سلوک اور پیار و محبت کے لحاظ سے بالکل اصل والدین جیسے ہوتے ہیں۔
کھو قوم کو جو سینکڑوں مختلف نسلوں سے بنی ہے، ایک قوم بنانے میں رضاعت
ی رسم نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ حکمران خاندان اور دوسرے بڑے خاندانوں میں
ی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اس کے ذریعے ملک میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کا
ی حاصل کر لیتے ہیں۔

موت: کسی کی موت اس کے خاندان کے علاوہ تمام گاؤں کے لیے ماتم کا باعث ہوتی
تمام گاؤں والے مل کر تجہیز و تکفین میں حصہ لیتے ہیں اور ایک یا دو روز تک
م زدہ خاندان کے کھانے اور دوسری ضروریات کا بھی بندوبست کرتے ہیں۔ تجہیز و
ن کی رسومات شریعت کے مطابق عمل میں آتی ہیں۔

تہوار: تمام اسلامی تہوار مثلاً عیدین، عید میلادالنبی، شب برات اور شب معراج
ب طریقے سے منائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مقامی تہوار ہیں جو کہیں

کہیں منائے جاتے ہیں:

۱- نو روز- یہ ۲۱ مارچ کو منایا جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تہوار ایرانیوں کے دور کی یادگار ہے۔

۲- اوشٹوں- یہ تہوار ''کوہ'' وادی میں مئی اور جون میں فصل ربیع کی کٹائی کے موقع پر منایا جاتا ہے۔

۳- پھنڈک- بالائی چترال کی بعض وادیوں مثلاً لاسپور، یارخون اور کھوت میں ماہ جولائی کے شروع میں بھیڑ بکریوں کو پہاڑوں کے اوپر چراگاہوں کو لے جاتے وقت ''پھنڈک'' مناتے ہیں۔

۴- پاتھاک دک- وادی لٹکوہ اور بالائی چترال کے بعض حصوں میں ماہ دسمبر کے آخری ہفتے میں یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے تہوار زمانہ ما قبل اسلام کی یادگار ہیں۔

یہ تہوار پہلے تمام کھو باشندے عام طور پر منایا کرتے تھے۔ مگر اب آہستہ آہستہ ان کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے اور اس وقت یہ ان چند وادیوں میں ہی محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

آداب و اطوار

آداب: ہر معاشرے کی طرح کھو معاشرے میں بھی بڑے اور چھوٹے، معزز اور غیر معزز کا اپنا مخصوص مقام ہوتا ہے۔ ملنے جلنے، اٹھنے بیٹھنے، کلام کرنے، طرز پوشاک اور کھانا کھانے کے خاص آداب ہوتے ہیں۔ ان کی خلاف ورزی کو بری نگہ سے دیکھا جاتا ہے۔

طرز گفتار: کھو قوم نہایت نرم گفتار اور شیریں کلام مشہور ہے۔ کھووار زبان پر فارسی کے اثر نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ ان کا ایک دوسرے کو خطاب کرنے کا انداز بھی نہایت دلکش ہوتا ہے۔ مثلاً ''ماژان'' (میری جان)۔ ''غچھوروشتی'' (میری لذت) وغیرہ قسم کے سینکڑوں الفاظ روزمرہ گفتگو میں عام استعمال ہوتے ہیں۔

معاشرتی طبقے (۱)

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے چترال کی تاریخ نے یہاں معاشرے کو تین طبقوں یعنی آدم زادہ، ارباب زادہ یا یوفت اور فقیر مسکین میں تقسیم کیا تھا۔ یہاں ان کے چند اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ان طبقوں کے وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ معاشرہ نے ان کے درمیان خلیج کو اور

(1) Israr-ud-Din;—A Social Geography of Chitral State; Unpublished M.Sc. Thesis, University of London 1965: pp. 46-53.

وسیع کر دیا ۔ اور ہر طبقے کے ذمے مخصوص فرائض مقرر کر دیے ۔ اس کے علاوہ بعض اور پابندیاں بھی تھیں جو اگرچہ ہندو ذات پات کی طرح بہت سخت نہیں تھیں ، لیکن اس کے لگ بھگ ضرور ہوتی تھیں ۔ مثلاً شاہی خاندان والے اپنے ہی خاندان میں شادیاں کرتے تھے ۔ البتہ وہ معزز طبقے کی کسی لڑکی سے جو اگرچہ ان کے خاندان سے نہیں لیکن آدم زادہ طبقے سے تعلق رکھتی ، شادی تو کر سکتے تھے مگر اپنی بیٹی کو (سوائے زندرے خاندان کے جو کہ کسی زمانے میں بادشاہ ہوتے تھے) نہیں دیتے تھے ۔ معزز طبقہ کے لوگ آپس میں شادی کرتے مگر ارباب زادہ یا یوفت خاندانوں میں شادی کرنے کو برا سمجھتے تھے ۔ البتہ شاہی خاندان اور معزز طبقہ کے لوگ اس درمیانی طبقے سے داشتہ ضرور رکھا کرتے تھے ۔

چترال میں عہدوں کی تقسیم بھی اس طبقہ بندی کے تحت عمل میں آتی تھی ۔ مثلاً (ما سوائے چند کے) تمام بڑے عہدے آدم زادہ افراد کو ملتے ۔ مگر خوش قسمتی سے ہندو ذات پات کے طریقے کے برخلاف اسلامی اثرات کے تحت مختلف طبقوں کے لوگوں کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ میل جول میں کسی قسم کی کوئی بندش نہیں تھی ۔ چنانچہ ان میں اچھے معاشرتی روابط پیدا ہوتے گئے ۔

اس طبقہ بندی نے لوگوں پر بہت گہرا اثر چھوڑا ہے ۔ مثلاً یہ نام نہاد آدم زادہ طبقہ کے لوگ ہمیشہ ریاست کی معیشت پر بوجھ بنے رہے ہیں ۔ وہ اپنا کام پست طبقے کے لوگوں کے ذریعے کرا کر خود شکار اور حکمرانوں کی خوشامد میں وقت گزارتے ۔ ان کے ذہنوں میں یہ خیال پختہ صورت اختیار کر گیا تھا کہ عام لوگ ان کے زر خرید غلام ہیں ، لہٰذا ان کی کوشش یہی رہتی کہ ان کی حالت بد سے بد تر رہے ۔ لیکن خواص کا یہ طبقہ آپس میں کبھی متحد نہ رہ سکا ۔ ان کی اندرونی سازشیں ، بغاوتیں ، بغض و حسد ، بدلتی وفاداریاں اور خطرناک کارروائیاں تاریخ چترال پر بدنما داغ ہیں ۔ صدیوں تک چترال میں وحشیانہ کھیل کھیلے جاتے رہے ۔ حکمران قتل یا ملک بدر ہوتے رہے ۔ حکومتیں بدلتی رہیں اور غربا کی حالت روز بروز ابتر ہوتی رہی ۔ ایسے حالات میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ایک عام چترالی کی حالت کیا ہو سکتی تھی ۔ ان کے لیے اپنی قسمت کو اپنے ان خود ساختہ آقاؤں کے حوالے کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا ۔ نتیجتاً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جو سبق انہوں نے سیکھا وہ یہ تھا کہ ان آقاؤں کی خوشامد کر کے ان کے ہر حکم پر لبیک کہیں اور ان کو خوش رکھ کر اپنی زندگی کے چند روز آسانی سے گزار لیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا ایک عام کھو حد درجہ منکسر المزاج ، محکوم ، احساس کمتری میں مبتلا اور بے کس و لاچار نظر آتا ہے ۔ کھووار زبان کا یہ محاورہ کہ ''جو بھی میرا ملک لے وہ میرا بادشاہ'' چترالیوں کی حالت زار کی پوری طرح عکسی کرتا ہے ۔

ثقافت

کھووار ثقافت گرد و نواح کے علاقوں کے اثرات اور مقامی رنگ کے امتزاج کی [illegible] ہے اور اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے الگ پہچانی جاتی ہے ۔

کھووار موسیقی : دنی ، سادز اور اشور جان دھنوں کے علاوہ جن کے [illegible] چترال کے لوک گیت بنائے جاتے ہیں ، ذیل کی دھنیں بھی مشہور ہیں ، جو صرف موسیق[illegible] آلات پر بجائی جاتی ہیں :

(۱) نماڑوار : یہ پولو کھیل کی دھن ہے ۔ جو سات مختلف دھنوں کی ملاو[illegible] بنی ہے اور کھیل کے اعلان کے طور پر بجائی جاتی ہے ۔

(۲) بکار شوار : یہ دھن نہایت ولولہ انگیز ہوتی ہے اور ایسے موقعوں پر [illegible] لوگوں کو جوش دلانا مقصود ہو بجائی جاتی ہے ۔ مثلاً لڑائی یا کھیل کے دوران [illegible] کھیل کے آغاز پر ۔

(۳) پون وار : سابق ریاست کے حکمرانوں یا کسی سرکاری مہمان کی آمد یا [illegible] کے وقت بجائی جاتی ہے ۔

(۴) ششتووار : یہ دھن کسی خوشی کی تقریب کے آغاز میں افتاحیہ کے [illegible] بجائی جاتی ہے ۔

(۵) ژانگ وار : یہ لڑائی کے موقع پر لڑنے کے لیے روانگی کے وقت کی دھن [illegible] اس کے علاوہ نمکین خرسک ، شب دراز ، بار وازی ، دوش نان دوشی وغیرہ دیگر دھنی[illegible]

لوک رقص : چترال کے لوگ رقص و سرود اور کھیل تفریح کے بے حد [illegible] ہوتے ہیں ۔ اپنے محدود وسائل اور قدرتی مشکلات کے باوجود وہ ان مشاغل کے لیے وق[illegible] لیتے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔ یاد رہے کہ چترال کے لوگ (کھو) رقص او[illegible] کو پیشے کے طور پر استعمال کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے بلکہ کوئی بھی نوجوان [illegible] موقع پر رقص کر کے داد حاصل کر سکتا ہے اس طرح اچھی آواز والا کوئی نوجوان [illegible] کے یا اپنے احباب کے ساتھ ''بزم'' پیش کر کے آفرین و تحسین وصول کر سکتا ہے [illegible] کے مشہور لوک رقص یہ ہیں ۔

۱۔ دنی رقص : یہ رقص کسی دنی دھن پر پیش کیا جاتا ہے ۔ چونکہ دنی [illegible] میں تال کبھی تیز اور کبھی آہستہ ہوتا ہے ، اس لیے رقص کرنے والا بھی اس کے [illegible] قدموں کو حرکت دیتا ہے ۔ یہ رقص کافی پیچیدہ قسم کا ہوتا ہے ۔ چنانچہ اس کے لی[illegible] مہارت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ یہ رقص ایک ہی آدمی اکیلا کرتا ہے ۔

۲۔ سادز رقص : سادز رقص بہت تیز ہوتا ہے اور عوام میں زیادہ مقبول ہے [illegible]

وقت میں ایک سے چار رقاص تک شامل ہو سکتے ہیں -
۔ ششتووُار رقص : یہ گروپ رقص ہے ، جو کسی تقریب کے آغاز پر پیش کیا
ے - اصل میں ہوتا یوں ہے کہ خوشی کے موقع پر خاص کر کسی شادی کے موقع پر
کے شروع میں دولہا کے رشتہ دار ، دوست احباب اور خود دولہا ششتووار دھن بجتے
ن میں نکل آتے ہیں اور گروپ میں رقص کرکے تقریب کا آغاز کرتے ہیں -
۔ سوچی رقص : یہ تقریب کا اختتامیہ رقص ہوتا ہے - اس میں ناچنے والوں
پ کبھی دو حصوں میں بٹ جاتا ہے اور علیحدہ علیحدہ چکر لگانے لگتا ہے - جب کہ
رمیں ایسا نہیں ہوتا ان کے علاوہ ''پستوک'' اور ''نوہ تک'' (شادی کے موقع کے
تتاڑھی واواڑی رقص (یعنی مرغابی رقص) ، ''بزبار'' رقص (چیل کا رقص) ، تلوار
گھوڑا رقص ، سارس رقص ، کھو باشندوں کے مشہور ناچ ہیں -
ک : چترال کے مشہور نائک یہ ہیں :
۱) باروازی (۲) اڑوک ساچ اور (۳) حونگ ریگیتی
زم : بہت سے گانے والے مل کر کسی تقریب میں گانا گاتے ہیں اور ان کے ساتھ تمام
ی تالیاں بجاتے ہیں ، ان کے درمیان ایک یا دو ناچنے والے ناچتے ہیں اور اس طرح محفل
و جاتی ہے - اس کو مقامی طور پر ''بزم'' کہا جاتا ہے -
کھیل : پولو ، نیزہ بازی ، بزکشی ، گھوڑ دوڑ ، تمپوق (دوڑتے گھوڑے کے اوپر سے
سے نشانہ بازی) ، رسہ کشی ، تیراکی ، پہاڑ کی دوڑ ، کشتی وغیرہ چترالیوں کے
دہ کھیل ہیں - خاص کر کھو باشندے پولو کے مانے ہوئے کھلاڑی ہوتے ہیں اور
ات تو یہ ہے کہ پولو کا رواج چترال اور گلگت کی وادیوں سے ہو کر تمام دنیا میں
- جس جوش و خروش کا مظاہرہ ان مختلف وادیوں میں پولو کھیلتے ہوئے کیا جاتا ہے ،
ہیں اور نہیں ہوتا - آج کل کے لوگوں میں فٹ بال کا کھیل بھی مقبول ہو گیا ہے -

ادب و ثقافت

ادب : کھووار زبان کا ادب اگرچہ تحریری صورت میں موجود نہیں ، لیکن
یہ مطلب نہیں کہ یہ زبان اپنے ادب سے تہی دامن ہے - بلکہ زبانی صورت میں اس زبا
ادب کا بیش بہا خزانہ موجود ہے - جو کہ صدیوں سے سینہ بہ سینہ محفوظ چلا آیا ہے -
کھووار زبان و ادب کے تحریر میں نہ آنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عرصہ
سے ان علاقوں میں فارسی زبان رائج تھی - چترال کے گرد و نواح کے علاقے میں بسنے
فارسی بولتے اور ان کے اثر سے چترال کے اکثر لوگ بھی فارسی جانتے تھے - لٰہذا فارس
ہوتے ہوئے کھووار میں لکھنے کی طرف توجہ نہ دی گئی - علاوہ ازیں پرانے زمانے م
بڑے بڑے شعراء اور نامور ادیب تھے وہ زیادہ تر بلخ و بخارا وغیرہ کے مشہور مدرسو
فارغ التحصیل تھے - انہوں نے جو یادگاریں ورثے میں چھوڑی ہیں وہ بھی زیادہ تر فا

---

(۱) سر زمین چترال نے کئی فصیح و بلیغ اور باکمال فارسی گو شعراء کو جنم دیا ہے -
میں سے مولانا محمد سیر ، اتالیق محمد شکور ، شاہزادہ تجمل شاہ محوی اور وزیر زادہ معظم خان
بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ''اپنی فصاحت و بلاغت اور اختراع مضامین رنگین کے ا
سے میرزا صائب ، میرزا بیدل ، شوکت بخاری اور ناصر علی سرہندی کے ہم سر تھے - بلکہ
محمد سیر کو ان سب پر فوقیت حاصل تھی'' (میرزا غلام مرتضیٰ - نئی تاریخ چترال - پ
۱۹۶۲ء ، صفحہ ۴۰۹) ان کے علاوہ محمد مغا بن قزل بیگ ، شاہ سنگین علی ، میرزا اطہر ، ز
ملا ہیچ ، وزیر زادہ مظفر خان ، شاہزادہ کوہکن بیگ ، شاہزاد محمد افضل بیگ فاضل ،
محمد غفران اور مولانا فضل کریم کشم بھی قابل ذکر ہیں - ان شعراء نے غزل ، قص
مثنوی ، مخمس ، مسدس وغیرہ اصناف میں بے شمار شہ پارے یادگار چھوڑے ہیں - اتالیق محمد ش
کا دیوان غزلیات ، مولانا محمد سیر کا دیوان اور شاہنامہ چترال ، شاہزادہ تجمل شاہ محوی کی م
شرح قصیدۂ امالی اور مجموعۂ غزلیات ، ملا ہیچ کا مجموعۂ اشعار ، وزیر زادہ مظفر خان کا د
غزلیات ، وزیر زادہ معظم خان کا دیوان ، شہزادہ محمد افضل بیگ کا دیوان اور میرزا محمد غف
کے منظوم افکار آج بھی قلمی مسودات کی شکل میں موجود ہیں - مگر ان کی نشر و اشاعت کا منا
بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے یہ دستبرد زمانہ سے تلف ہونے کے ہمکنار ہیں اور باہر کی دنی
پہاڑوں کے درمیان بند جواہر پاروں سے مستفیض ہونے سے محروم ہے - فارسی نثر نگاروں میں م
محمد غفران کا نام پیش پیش ہے ، جنہوں نے یہ تصنیفات چھوڑی ہیں : تشریح الاقاویل
درج الالی فی شر الامالی - توضیح مولائیہ چترال ، حواشی فقہ اکبر ، تاریخ چترال ، تاریخ خلفا
راشدین ، سفرنامۂ ہندوستان - یہ سب غیر مطبوعہ ہیں - دور جدید کے فارسی شعراء میں ہزہائی
محمد ناصر الملک مرحوم اور مولانا حبیب اللہ کے نام قابل ذکر ہیں - اول الذکر کی تین منظ
تصانیف صحیفۃ التکوین ، شرق الانوار اور تحفۃ الابرار شائع ہوئی ہیں -

ں ہیں - لیکن اس کے باوجود بھی کھووار ادب بجائے خود ہر لحاظ سے مکمل ہے - اس زبان ے محاورے ، ضرب الامثال ، لوک کہانیاں ، لوک گیت اور مختلف اصناف سخن اور نادر بیہات اس ادب کا اہم سرمایہ ہے - ذیل میں ان کی مختصر مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

ضرب الامثال : ۱- تو زوندرے اوا زوندرے - استورو کا ہوں دوئے -(تو بھی وندرے یعنی آدم زادہ خاندان سے اورمیں بھی زوندرے - پھر ہمارے گھوڑے کو کون زین گائے گا)-

۲- ہونار نی س رشٹوموڑنو - (سیلاب سے بچ کر ایوالانچ یعنی برف کے سیلاب کے چپے) -

۳- شوم آڑو کو بی بو - شوم رویو لو بو - (خراب قسم کے کدو کا بیج زیادہ ہوتا ہے ور خراب آدمی کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں)

۴- بری یاک منہ ٹکی (Teki) کھاڑاوے ریر (مرنے والا ''ٹک'' پر (کھووار کمرے کے ایک طرف کا حصہ) اپنے آپ کو دفن کرانے کی وصیت کرتا ہے - یعنی ناممکن چیز کی خواہش کرتا ہے)

محاورے : ۱- توستو موژی شونج ماستیکک (بھوسے کے ڈھیر میں سوئی کی تلاش - یعنی ناممکن کام) -

۲- تیلوقف دریک - (تیل میں ہتھیلی ڈبونا - مزے کرنا یا پانچوں گھی میں ہونا) -

۳- آپا کا اوغ پیچ نوبک - (منہ میں پانی گرم نہ رکھ سکنا - یعنی کم ظرف ہونا) اور کوئی بات بھی چھپا نہ سکنا) -

۴- ماستے لکا یوروے سک (ماستے اک نامی جگہ پر طلوع آفتاب کا انتظار - یعنی فضول توقع - یاد رہے کہ سردیوں کے موسم میں سورج بعض جگہوں پر جن میں سے ماستے اک بھی ایک ہے ، نظر نہیں آتا - کیونکہ پہاڑوں کے پیچھے سے گزر جاتا ہے - ایسے موسم میں ان مقامات پر طلوع آفتاب کا انتظار کرنا فضول ہے) -

لوک کہانیاں : کھووار زبان میں بے شمار لوک کہانیاں ، قصے اور داستانیں موجود ہیں - ان کو عام طور پر مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

۱- سبق آموز کہانیاں : اس قسم کی کہانیوں میں زندگی کے حالات ایسے پیرائے میں بیان کیے جاتے ہیں جن سے کوئی اہم سبق دینا مقصود ہو - مثلاً :

(الف) دو شہزادوں کی کہانی جس میں دو بھائیوں کی آپس میں محبت اور ایک دوسرے کے لیے تکلیف و مصائب برداشت کرنے کے واقعات ہیں -

(ب) سوتیلی ماں کی کہانی جس میں سوتیلی بیٹی کے ساتھ اس کے ظالمانہ سلوک کا

بیان ہے - مگر آخر میں حالات ایسا پلٹا کھاتے ہیں کہ اس کی سوتیلی ملکہ بن جاتی ہے اور وہ خود ذلیل و خوار ہو کر اس کی محتاج بن جاتی لیکن سوتیلی بیٹی اس کے ساتھ اس کی برائیوں کے بدلے میں اچھا سلوک کرتی

(ج) شیر اور شکاری کی کہانی میں یہ بتایا جاتا ہے کہ احسان اگر شیر خونخوار جانور کے ساتھ بھی کیا جائے تو وہ احسان مند ہو جاتا ہے اور فراموش نہیں کرتا -

(دوسری کہانیاں مندرجہ ذیل ہیں)

(د) سوتیلے بھائیوں کا دھوکہ اور شرمندگی

(ہ) عیار بیوی اور اس کا حشر

(و) مغرور بادشاہ اور اس انجام

۲- مہماتی کہانیاں : ان میں دیو پریوں اور بادشاہوں کے ایسے قصے شامل ہیں عام طور پر مہماتی قسم کے ہوتے ہیں - ان سے یہ سبق دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسان طرح خطرناک مہم میں بھی کامیابی حاصل کر لیتا ہے - ان کہانیوں میں دیو پریوں کے انسانوں کے تعلقات کا ذکر بھی ہوتا ہے اور یہ بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کون سی مخلوق انسان کی دشمن ہے اور کون سی اس کی دوست - اپنے دوستو دوستی برقرار رکھنے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے اور دشمنوں کو زیر کرنے اس کو کون سے حربے استعمال کرنے چاہئیں - مہماتی کہانیوں میں سے چند ایک یہ

(الف) سات شہزادے اور سات شہزادیاں

(ب) طوطا اور شہزادی

(ج) اندھا دیو

(د) سات سروں والا دیو

(ہ) آسمان پری

۳- مزاحیہ حکائتیں : ان میں مختصر حکائتیں شامل ہیں جنہیں مزاحیہ اندا یہ واضح کرنے کے لیے بنایا گیا ہے کہ دیہات اور وادیوں کے بعض لوگ کتنے سا بھولے بھالے ہوتے ہیں - مثلاً :

(الف) گدھی کا انڈا (گورو وغو آیو کن) - یہ ایک سادہ لوح دیہاتی ک ہے ، جس نے خربوزے کو گدھی کا انڈا سمجھا تھا -

(ب) عقاب کی پوستین پہن کر اڑنے والے کا حشر -

(ج) نمک کاشت کرنے والے کا انجام -

(د) چترالی اور بدخشانی کا قصہ: اس میں ایک چترالی کی حاضر جوابی
اور بدخشانی کی خفت اور شرمندگی کا ذکر ہے۔

ان: کھووار زبان میں کئی رومان بھی موجود ہیں۔ ان میں محمد سیر کا رومان، ڈوک یخدیز کا رومان، ترچھے خان کا رومان، اکان کا رومان، آمان کا رومان، گ کا رومان اور شیر ملک کا رومان مشہور ہیں۔ ذیل میں مختصر طور پر محمد سیر یخدیز کے رومان کا ذکر کیا جاتا ہے:

مد سیر کا رومان: محمد سیر (جو چترال کا مشہور شاعر ہے) کا رومان عوام س سب میں بے حد مقبول ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ رشتین نامی گاؤں میں ایک ر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ حسینہ کسی اور بیوی ہے۔ اس وجہ سے سیر کافی عرصے تک شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ رف دل کے ہاتھوں مجبور اور دوسری طرف ضمیر کی ملامت کا شکار۔ آخرکار ہ ہوا کہ اس کی زندگی کی راہ بدل گئی۔ اس نے اپنا فلسفہ یہ بنا لیا کہ:

ستویو صحبتو ساری دو دیریو زینہا ما بو خوش
التی پستان بیکو سار نو آلتی ارمان ما بو خوش

حبوب کا قرب حاصل ہونے سے یہ بہتر ہے کہ دور سے اس کی تمنا رہے۔ کا نتیجہ پشیمانی کے سوا کچھ نہیں اس لیے فراق کی حالت میں مدام آرزو کرتے ں مجھے زیادہ خوشی رہے گی۔

س طرح سیر کا عشقِ مجازی حقیقی عشق میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے بعد وہ بوبہ کی یاد میں شعر کہتا، روتا اور تڑپتا۔ مگر اس کو اپنانے کے لیے اُس نے جد و جہد نہیں کی۔ اُس کی معشوقہ کے شوہر نے اُس کو طرح طرح سے آزمائش لا۔ وہ سب پر پورا اترا۔ اس کی وفات کے بعد اس کو شہیدِ عشق کا درجہ یا گیا۔ گذشتہ ڈیڑھ سو سالوں سے اب اس کا مقبرہ زیارت گاہ خاص و عام ہے ن کی محبت اور اس کے گیت لاثانی ہو گئے ہیں۔

ڈوک یخدیز کا رومان: یہ ایک ''میاں بیوی'' کا قصہ ہے جو کئی سو سال تور کھو کے ڈوک یخدیز (کھوت) گاؤں میں رہتے تھے۔ پرانے زمانے میں جب ں کی سرحدیں گلگت تک پھیلی ہوئی تھیں تو اس وقت یہ دستور تھا کہ چترال ختلف حصوں کے لوگ سالانہ باری باری جا کر بیگار کے طور پر وہاں کے قلعوں کی والی کیا کرتے تھے اور ایک سال گذارنے کے بعد واپس آ جاتے۔ ڈوک یخدیز ''میاں'' بھی ایک دفعہ اس سلسلے میں درشکوم (گلگت ایجنسی) کے قلعے کی

رکھوالی کے لیے گیا۔ مگر کئی سال تک واپس نہ آیا۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے ان علاقوں میں ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل اب بھی بے حد خراب ہیں مگر اس زمانے میں حالات ناگفتہ بہ تھے۔ اس لیے ''میاں'' کی طرف سے کوئی اطلاع گھر نہ پہنچی۔ جب کافی انتظار کے بعد بھی وہ نہ آیا تو اُس کے سسرال والوں نے یہ سمجھا کہ وہ مر گیا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی کی دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

شوہر کی جدائی میں لڑکی کا پہلے ہی برا حال تھا اب دوسری شادی کے فیصلہ سے اسے بڑا سخت صدمہ ہوا۔ اُس کو یقین تھا کہ اُس کا خاوند زندہ ہے اور ایک نہ ایک دن ضرور واپس آ جائے گا۔ چنانچہ اُس نے دوسری شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اُس کی کون سنتا تھا۔ چنانچہ شادی کا دن مقرر کر دیا گیا، مگر خدا کی قدرت کہ عین رسم نکاح کے وقت اُس کا شوہر واپس آ گیا اور بچھڑے ہوئے میاں بیوی دوبارہ مل گئے[1]۔

لوک گیت: کھووار زبان میں گیتوں کو ''باشونو'' (Bashonu) کہتے ہیں۔ ان میں عشق و محبت کے علاوہ ذیل کے موضوعات کو بھی نظم کیا جاتا ہے:

(۱) لوری یا ''مہر و باشونو''۔ جن میں ماؤں کی طرف سے بچوں کے لیے بنائے ہوئے گیت شامل ہیں۔

(۲) بابل گیت یا ''ڈوک ژور''۔ یہ گیت بیٹی کی رخصتی کے وقت گائے جاتے ہیں۔ ان میں بیٹی کی جدائی میں ماں کے جذبات کا بیان ہوتا ہے۔

(۳) نوحہ یا مرثیہ۔ ان میں ایسے گیت شامل ہیں جو کسی بیوی نے شوہر کی موت پر، ماں نے بیٹے کے ماتم یا بہن نے بھائی کے غم میں یا کسی دوست نے دوست کی جدائی میں گائے۔ یہ گیت درد سے لبریز ہوتے ہیں۔

(۴) جنگ یا کسی یادگار واقعہ کی یاد میں کہے ہوئے گیت۔ یہ اگرچہ زیادہ نہیں لیکن ایسے کچھ گیت موجود ہیں۔ ان میں سے ایک جو بہت مقبول ہے وہ چترال کے مشہور شاعر جیّن کا ہے جس نے ۱۸۶۸ء میں محمود شاہ والئی بدخشاں کی چترالیوں کے ہاتھوں شکست کے موقع پر لکھا تھا۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ شعرائے دور قدیمہ) اس طرح ۱۹۱۹ء میں کسی نا معلوم شاعر نے افغانستان اور چترال کی جنگ کے خاتمے پر ایسا ہی گیت گایا تھا۔

(۱) ڈوک یخدیز کے گیتوں کی دھن اب بھی زندہ ہے۔ مگر گیتوں کے بول بہت کم لوگوں کو یاد ہیں اور وہ بھی مکمل طور پر نہیں۔

(ہ) بعض ایسے گیت بھی ہیں جن میں کسی جانور یا بے جان چیز کے احساسات کو
ن کیا گیا ہے۔ ان میں مقبول ترین ''شارو باشونو'' یعنی مارخور کا گیت ہے۔ یہ گیت
دہ مارخور اور اس کے بچے کے درمیان مکالمے کی شکل میں ہے۔ بچہ شکاری کو آتے ہوئے
یکھ کر پریشان ہو جاتا ہے اور ماں اس کو تسلی دینے کی کوشش کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

ئے! نانئے! اف ہیرا کا گویان
(ماں! اے ماں! وہاں کون آ رہا ہے؟)
(ماں کی جان! جنگل کا کوئی گڈریا ہوگا)
نو ژانئے! آ نو پاژ ال نودا
(ماں! اے ماں! بندوق کی چمک نظر آ رہی ہے)
ئے! نانئے! تھوویک ژاہپئے کا پرائے
(نہیں) ماں کی جان! وہ تو سورج کی شعاعوں
کی چمک ہے)
(ماں! اے ماں! تیرے سینے سے خون بہہ رہا ہے)
(ماں کی جان! یہ تو گرمی کی وجہ سے پسینہ
بہہ رہا ہے)
(ماں! اے ماں! یتیموں کی (اب) کون پرورش
کرے گا)
(ماں کی جان تمہارا خدا تمہارا رکھوالا ہوگا)

اس گیت میں ایک ایسی ہمدردی کا جذبہ موجود ہے جو انسانی ہمدردی سے بہت بلند ہے۔ یہ گیت شکاری شکار کرکے واپس گھروں کو آتے وقت گاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور گیت ''یایو باشونو'' یعنی بکری کا گیت ھے۔ جس میں ایک بکری اپنے مالک کے برے سلوک کے بارے میں شاکی نظر آتی ہے۔ ایک اور گیت ''خورو باشونو'' یعنی چکی کا گیت بھی ہے۔

لوک گیت اور موسیقی: کھووار لوک گیتوں اور موسیقی میں چولی دامن کا ساتھ ہے جس طرح اُردو یا ہندی گیتوں کی دھنیں مختلف راگوں کے مطابق ترتیب دی جاتی ہیں، اسی طرح تمام کھووار گیتوں کی دھنیں بھی مندرجہ ذیل دھنوں کے مطابق ترتیب دے کر بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

(الف) دنی (ب) ساوز اور (ج) اشور جان۔

(الف) **دنی:** اس قسم کی دھن کبھی اونچی اور کبھی نیچی ہوتی ہے اور مضمون ہجر و فراق کا حامل ہوتا ہے۔ یہ گیت عام طور پر آدمی اکیلا گاتا ہے۔ مگر کبھی کبھی اسے دو آدمی مل کر بھی گا لیتے ہیں۔ ذیل میں دو دنی گیت بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:

مہتر محترم شاہ کا دنی گیت (سولھویں صدی عیسوی)

(۱) مہ دوست مہ گادیری اریر۔ مدتن سار دو دیری اریر۔ مہ گل خانو بیر
(میری معشوقہ نے مجھے پاگل بنا دیا ہے۔ مجھے اپنے سے جدا کر دیا
بے گھر بنا دیا ہے)

(۲) پست مصرع جو کہ ہر بند کے بعد آتا ہے۔
ژانو سار خوش تو تان ۔ دوست کی مانے نو بوسان ۔ مہ کیہ جاحت
ڈق وطا نار بے وطان مہ تیتو مانے کورے ۔ اللہ ہے نگہبان تو تان۔
(میری جان سے تو مجھے زیادہ پیاری ہے۔ اگر تو میری نہیں ہوتی تو مجھے
بھی ضرورت نہیں اور میں اس وطن سے چلے جانے کو ترجیح دوں گا۔ میری خ
کر۔ اے میرے اللہ تو ہی میرا نگہبان ہے۔
میں تمام ملک میں دوا کی تلاش میں سرگرداں ہوں کیونکہ میں بیمار
میری اس بیماری کے لیے جو اصل دوائی ہے وہ تمہارے میٹھے بول ہیں)۔

۲۔ پشت مصرع ۔
(جب سے میں اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہوں۔ تمہارے نازک بدن کا د
میری حالت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے پیاز کو تلتے ہوئے گھی پر ڈالیں ہو
جو اس کی حالت ہو گی وہی حالت میرے دل کی ہے۔

(ب) **ساوز:** اس قسم کی دھنیں اگرچہ شروع میں آہستہ ہوتی ہیں لیکن بعد میں
ہیں اور آخر میں ان کا سر کافی اونچا ہو جاتا ہے۔ عام بزموں میں ایسے
جاتے ہیں جن میں ایک سے زیادہ گانے والے حصہ لیتے ہیں۔ ایسے گیتوں
عام طور پر درد و فراق سے بھرے ہوتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی ایسی
ہلکے پھلکے موضوں پر بھی گیت بنائے جاتے ہیں۔

ایک دھن ''کابلی ساوز'' بھی ہے جو شروع سے اخیر تک اونچی اور تیز
ذیل میں ساوز دھن کے مطابق لکھے گئے ایک گیت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

بوڈ وڑ کا گیت (انیسویں صدی)

یہ گیت بوڈوڑ نامی ایک آدمی کی بیوی نے اپنے شوہر کی یاد میں جو کہ د
کر مر گیا تھا گایا تھا۔

۱۔ **ترجمہ:** بوڈوڑ کے پیچدار اور گنگھریالے بال اس کے سینے پر آویزاں
اے بوڈوڑ! تیرے جانے والے تمام لوگوں کے دل تیری
ایسے بن گئے ہیں،

جیسا کہ بھنا ہوا گوشت ہوتا ہے -
ہائے افسوس ! شیر کا بچہ بوڈوژ کہاں چلا گیا ؟
(نوٹ - یہ مصرع ہر شعر کے بعد دہرایا جاتا ہے)

ترجمہ : اے بوڈوژ ! میرا اوڑھنا بچھونا میرا سب کچھ تو تھا -
اب (تیرے بعد) تیری اس فقیرنی کے لیے تیری قبر کے گردا گرد
(پروانے کی مانند) گھوم کر زندگی گزارنے کے بغیر اور کیا چارہ ہے -
ہائے افسوس ! شیر کا بچہ بوڈوژ کہاں چلا گیا ؟

اشور جان : یہ گیت درد و فراق سے بھرے ہوتے ہیں اور ان کی لے حد درد انگیز ہوتی ہے - ان گیتوں کا نام اشور جان ، جو کہ آشوب جان (دل کے آنسو) کی بگڑی شکل ہے ، ان گیتوں کی اس خاص خصوصیت کی وجہ ... گیا ہے -

... قسم کے گیتوں کو ایک آدمی اکیلا گاتا ہے یا دو آدمی باری باری ... حصے گا لیتے ہیں - یعنی اشور جان گیتوں کے بول دو آدمیوں (مثلاً عاشق ، ... یا دو دوست وغیرہ) کے درمیان مکالمے کی شکل میں ہوتے ہیں اور بعض میں یک طرفہ ... کا اظہار ہوتا ہے -

... اشور جان گیت عام طور پر رات کے آخری حصے میں گائے جاتے ہیں اور ... والا سنتے سنتے نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے - اس طرح اسے رات کی راگنی ... تشبیہ دے سکتے ہیں - چترالی لوک گیتوں میں اشور جان کو کلاسیکی حیثیت ... ہے -

اشور جان گیت (شاعر نامعلوم)

(۱) رونیے مہ نانوتے دے نیان تہ بہ ژار گدیری وسواسی
اے گدیری رویاں نہ اوا وسواسی نہ اوا گدیری
اوا تن رفیقو تن بلبلو افاسی
دوست مہ حقا دریاہ ادا بیا بانو پونگا قاق ما حھی

ترجمہ : لوگ میری ماں سے کہتے ہیں کہ
تمہارا یہ بیٹا پاگل اور مخبوط الحواس ہے -
اے دیوانے لوگو! میں نہ پاگل ہوں اور نہ ہی بد حواس ہوں -
میں صرف اپنی محبوبہ کا مشتاق دید ہوں -
میری معشوقہ دریا کی مانند ہے اور میں ایک بیابان پر پڑی ہوئی پیاسی

مچھلی ہوں -

(۲) رونیے مہ نانوتے رینیان "تہ یہ ژا و گدیری
تاں یہ گدیریو حسحھاوے تہ تے مال نوبونے
اے گدیری رویاں شوم بیستی حطانہ ما ژاد حال نوبونے
کی بے ساتے نقصان تھے مرور گدیریو کیہ ہوال نوبونے

ترجمہ : لوگ میری ماں سے کہتے ہیں -
تمہارا یہ بیٹا دیوانہ ہے پاگل ہے -
اس کو سمجھاؤ -
(ورنہ) اس سے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا -
اے دیوانے لوگو ! میرا بیٹا بُرا بن کے اس وطن میں نہیں رہے گا -
اگر اس کی وجہ سے تمہیں کسی قسم کی تکلیف ہے یا کوئی نقصان پہنچنے
کا اندیشہ ہے تو اس کو مار ڈالو -
یقین کرو کہ اس سے تمہیں کسی قسم کا گناہ نہ ہوگا -

تشبیہات اور استعارے : کھووار گیت اپنے ماحول کی پیداوار ہیں - یہی وجہ ہے کہ گیتوں میں اس خطے کے قدرتی مناظر کا حسن اور سادگی ہے - خیالات اور جذبات میں برفانی چشموں کی بے ساختگی اور پاکیزگی اور لہلہاتے کھیتوں کی سی دلکشی اور فلک بوس کوہساروں کی وسعت ہے - تشبیہیں اور استعارے بھی گرد و نواح سے متاثر ہیں - محبوب کی خوب روئی کے لیے سرخ سیب ، عناب ، بنفشہ ، پہاڑی چشمہ اور ہرن کی تشبیہیں دی جاتی ہیں - کہیں کہیں مینا ، بلبل ، باز ، شہباز ("سا بورج") وغیرہ پرندوں سے بھی مشابہت پیدا کی جاتی ہے - معشوق کے سر کو "کھابنجوڑ کاپے لی" یعنی ریشم جیسے ، اس کے گلے کو "چھیر گوڑی" یعنی دودھ جیسا اس کے لبوں کو "شوں لعل" "یعنی لعل کے ساتھ ، دانتوں کو موتی یا دردانہ اور اس کے قد کو "نخل صنوبر" سے تشبیہ دیتے ہیں - عشق کے میدان کو ناقابل گزر جنگل اور بیابان ، معشوقہ کو "موجیں مارتے ہوئے سمندر" ، عاشق اپنے آپ کو گردش کرتا ہوا بھنور باندھتے ہیں - بڑھاپے کے لیے جاڑے کی مثال اور اس قسم کے بے شمار استعارے موجود ہیں -

کھووار شاعری میں بے شمار القابات بھی ہیں - مثلاً محبوب کو "مہ ژان" (جانم) ، دوست (دوست) ، رفیق ؛ دردانہ (درد) ، "مہاردیو باتیں" (دل کا حصہ) - "میرژوری" (یعنی پری زادی) لقب دیے جاتے ہیں - حریف کو جو کہ عام طور پر معشوقہ کا خاوند ہوتا ہے - "دایوس" (ناکارہ) - ڈستاں (حریف) - کوژ (کبڑا یعنی جس کی کوئی شخصیت نہ

وغیرہ اور عاشق اپنے لیے ڈق (لڑکا) ، حق ڈق (چھوٹا لڑکا) ، فقیر ، ملنگ ، جوان
ں ، مخبوط الحواس گدبری (دیوانہ) وغیرہ نام استعمال کرتے ہیں -

کھووار شعرائے دور قدیم : کھووار شاعری زیادہ تر لوک گیتوں پر مشتمل
، جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے - پرانے گیت اگرچہ سینہ بہ سینہ چلے آنے کی
سے اب تک زندہ ہیں ، مگر بہت سے پرانے گیت نگار شعرا کے نام جنہوں نے
کو زندہ رکھا ، ذہنوں سے اتر گئے ہیں - جو نام معلوم بھی ہیں مثلاً گل پسر ،
ررو ژوک ، امان ، رستم وغیرہ ان کے مکمل حالات کا ہمیں علم نہیں - البتہ خوش قسمتی
میرزا محمد غفران مرحوم[1] کی تحقیق اور کاوشوں کے نتیجے میں ہمیں چترال کے
ی ایسے فارسی گو شعراء کے حالاتِ زندگی اور طرزِ کلام کے بارے میں قیمتی معلومات
صل ہوئی ہیں ، جنہوں نے کھووار زبان میں گیتوں کے علاوہ دوسرے اصناف سخن
ی قصیدہ ، ہجو ، غزل ، مخمس اور نظم میں طبع آزمائی کی اور اس ادب کو ان اصناف
ے روشناس کیا - ذیل میں ان کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں :

۱- اتالیق محمد شکور غریب : یہ ۱۷۰۵ء کے بعد کھووار شاعری کی طرف
نوجہ ہوئے - کھووار میں ان کی غزلیں مشہور ہیں جو مختلف بحور اور اوزان میں
کھی گئی ہیں - چونکہ وہ کھووار اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے اس لیے
نہوں نے فارسی تراکیب و اسالیب بیان کو کھووار ادب میں استعمال کیا - ان کا
جحانِ طبع عشقیہ غزلیات کی طرف زیادہ تھا - اس لیے ان کے کلام میں حسن و
شق کی کیفیات کا اظہار پایا جاتا ہے -

نمونہ کلام

اے دل تو یکی سیر بعالم نوکوروس کو
یک چند تماشائے دش جام نوکوروس کو

(اے دل ! تو ایک دفعہ اس دنیا کی سیر کرکے یہاں کی اچھائیوں اور برائیوں
کا تماشا دیکھ کیوں نہیں لیتا) -

بیدل کہ او شوئیے موس نو تریر عزتہ ہرگز
عزت کہ تہ خوش تن سرد رستم نوکوروس کو

(ایک بزدل آدمی کبھی بھی معزز نہیں بن سکتا - اگر تو عزت چاہتا ہے تو
اپنے آپ کو رستم کیوں نہیں بناتا) -

(۱) میرزا غلام مرتضیٰ - نئی تاریخ چترال (اُردو) پشاور ۱۹۶۲ ع - ص ۲۱۰ تا ۲۱۴ اور
صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۲ -

از تیر غم عشق تو بردی ہمہ لیے کھوئیے
وز لطف طبیا مہ تے مرہم نوکوروس کو

(تیرے عشق کے تیر نے میرے دل کو لہولہان کرکے رکھ دیا - اے میرے طبیب
مجھے اپنے لطف و کرم کا مرہم کیوں نہیں لگاتا)

شمشاد تہ نوپوشی تہہ کورویئے دعوی قامت
اے نخل صنوبر تغو ملزم نوکوروس کو

(شمشاد نے تجھے نہیں دیکھا اس لیے اپنی قامت پر نازاں ہے - اے نخل صنوبر! تو
آ کر اس کو شرمندہ کیوں نہیں کرتی) -

شہباز غم ہجر تو جو چوں شمع کڑیران
تن وصلہ غریبو تو بے غم نوکوروس کو

(تیری جدائی میں شہباز مثل شمع آنسو بہا رہا ہے - تم اس غریب کو وصال بخش کر
اس کی اشک شوئی نہیں کرتے) -

۲- مولانا محمد سیر سیرؔ : (۱۷۸۸ء — ۱۸۳۸ء) یہ شاہ کٹور کے عہد کا شاعر
اس کی کھووار غزلیں اور گیت زبان زد خاص و عام ہیں - اس کے کلام میں چترالی
کی نادر تشبیہات و استعارات پائی جاتی ہیں - اس نے کھووار میں اشعار کہنے کے
چترال کے وقائع کو ''شاہنامہ چترال'' کی صورت میں فارسی میں قلمبند کیا ہے
فارسی غزلیات کا مجموعہ بھی موجود ہے - اس کو چترال کا عظیم ترین شاعر خیا
جاتا ہے - اس کے کلام میں حسن و عشق اور مناظرِ قدرت کا بیان پایا جاتا ہے - اس
رنج و غم کی زندگی کی اپنے کلام میں جس طرح عکاسی کی ہے وہ اپنی مثال آپ
ملاحظہ فرمائیے :

نمونہ کلام از محمد سیر

(۱) ویزے نیں غم ژیبوماں چھوچپے نین دوقت ماہاسی
تو مہ قسمتو کھشتی نیزے مہ دریا ہو ناسی

ترجمہ : اے میرے محبوب! غم میرے لیے شام کے کھانے کا کام دیتا ہے
اور مصائب میری صبح کا ناشتہ ہیں ، تو ہی میری قسمت کی کشتی
اور تو ہی مجھے اس رنج و الم کے سمندر کے کنارے تک پہنچا سکتا

(۲) شون لعل دون دردانہ مہ ژنو ہارلو نمکین
چھیتی مہ کرونگو سیارو ہاردی یوباتیں

ما روح عافانان پاتیز ژان کی تان ہوستین مہ مربر۔ ارمان ہیں!

: (یہ ہر بند کے بعد دہرایا جاتا ہے)
تیرے لب مثل لعل اور تیرے دانت دردانہ کی مانند خوبصورت ہیں،
اور تیری ہر بات میں نمکینی (لذت) ہے۔
یہ سب کچھ دیکھ کے سیر کا دل ڈوب جاتا ہے
اور پھر ٹوٹ کے اس کے جسم کے اندر گر جاتا ہے۔
کاش! ایسی حالت میں اگر تو اپنے ہاتھوں سے مجھے مار ڈالتا،
تو میری روح کو بڑے بڑے داناؤں کا دیدار نصیب ہو جاتا۔

[ش]ہزادہ تجمل شاہ محوی: شاہ کٹور مہتر چترال کے فرزند تھے اور بڑے
تھے۔ انہوں نے طبع زوان پائی تھی۔ انہوں نے فارسی اور کھووار میں عارفانہ
[..] اشعار کہے ہیں:

نمونۂ کلام

[..]یائی آسیکو قرارنکی　　پھتکن سورا اشرو بارنکی
[ز]ندگانی یو اعتبارنکی　　ہر چکو عمر و سوم کیہ کارنکی
ہیچ کیلا اشناری پائیدارنکی

[ترج]مہ: اس دنیا میں رہائش ایک ناپائیدار چیز ہے۔
اس کی مثال پلکوں پر آنسوؤں کے قطروں کے بوجھ کی سی ہے۔
زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔
عمر کے ساتھ (لفظ) ''دوام'' کا کوئی سروکار نہیں۔
(اور) یہاں پر کوئی شے بھی پائیدار نہیں۔

خلق بے ہودہ آرزو کورونی　　تن مژی ہت ہو گفتگو کورونی
کمیریان مشکی جستجو کورونی　　کمریان تن مخی پورو کورونی
لوڑیکو چھک رہنی کہ یارنکی

[تر]جمہ: لوگ فضول آرزوئیں کرتے رہتے ہیں۔
آپس میں بھی وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔
حسیناؤں کی تلاش میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں،
اور حسینائیں (اپنی کشش بڑھانے کے لیے) سنگار کرتی ہیں۔
(لیکن انجام کار) سب بے یار یعنی اکیلے رہ جاتے ہیں۔

(۳) محو یانکی آخرت دو دیری　　دینوسم ای یتی آسوس گدیری

کلہ پت بہچس عاقبت ہہ دیری　　شوغو ژغا کھیوتے کوس تو ژیری
تو کہ کار کوس مگر تہ کارنکی

ترجمہ: اے محوی! آخرت اتنی دور نہیں جتنی کہ تم سمجھتے ہو،
اور دنیاوی دھندوں میں مگن پاگل بنے ہوئے ہو۔
آخر کب تک یہاں رہو گے؟
کوئی ہمیشہ تو تم نے یہاں رہنا نہیں۔
پھر بھی تم ماتم کرنے کے بجائے خوشیاں منا رہے ہو۔
کاش تم سنتے مگر تمہارے کان نہیں ہیں۔

۴- جین: یہ کھووار زبان میں بدیہہ گوئی کیا کرتے تھے اور مشہور ہجو گو
شاعر بھی تھے۔ ۱۸۶۸ء میں محمود شاہ والئی بدخشاں کی چترالیوں کے ہاتھوں شکست کے
موقع پر انہوں نے ایک مخمس کہی ہے جو خاص طور پر مقبول ہے۔ ذیل میں اس سے دو
بند پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) محمود شائے تہ ارمنہ　　میتار نویس تہ فرمانہ
کایر ڈومے تہ در بند　　ژائی روؤ شوژائی بیریہ
دوڑ دیکو یو گیگ بیریہ

ترجمہ: اے محمود شاہ! ہم تمہارے ''آرزو مند'' ہیں،
اور مہتر (والئی چترال) کا پوتہ تمہارے ''انتظار'' میں ہے!
دربند (یار خون کا دربند جہاں یہ لڑائی لڑی گئی تھی) پر تمہاری لاشیں
بھری پڑی ہیں۔
تم ان کو (مہتر کے پوتے کو) غدار سمجھتے تھے۔
کیا ایسا ہوا؟
اور (خواہ مخواہ) تم ایسی زبردست مار کھانے کے لیے آ گئے!

(۲) پھرار کھیوتن ہاد ہری　　محمود شاہ برائی گدیری
کاغا نوچے شو نٹھوران ژیری　　ژائی راوشوؤ ژای بیریہ
دوڑ دیکو یو گیک بیریہ

ترجمہ: تم اتنی دور سے کیوں یہاں آئے؟
محمود شاہ! تم دیوانے تھے (جو تم نے یہ غلطی کی)!
(اب) کوؤں اور گدھوں کے مزے ہو گئے ہیں۔
تم ان کو غدار سمجھتے تھے۔

کیا ایسا ہوا ؟

اور تم (خوامخواہ) ایسی زبردست مار کھانے کے لیے آ گئے ؟

۵- ووری: یہ قصیدہ گو شاعر تھا اور مہتر امان الملک کے عہد (۱۸۵۶ء–
۰ء) میں گزرا ہے - یہ جبیں کا ہمعصر تھا -

۶- صوفی نظام الدین: ان کو کھووار زبان میں فی البدیہہ شعر کہنے میں
ں حاصل تھی -

موجودہ دور

دور جدید کی ابتدا اس وقت ہوئی جب ریاست چترال نے ۱۸۷۹ء میں مہاراجہ
اور ۱۸۸۷-۸۸ء میں برٹش انڈیا کے ساتھ معاہدات کرکے کوہ ہندوکش کے جنوبی علا
کے ساتھ تعلقات استوار کر لیے - اس کے بعد اس ریاست کے باشندے آہست
شمالی علاقوں سے دور ہوتے گئے اور آخر کار جب ۱۸۹۲-۹۳ء میں ڈیورنڈ لائن ڈال د
تو ان علاقوں سے ان کا تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا - اس وقت سے اب تک ریا
جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں وہ جنوبی دروں خاص کر درۂ لواری کے اثرات کی پیداوار

موجودہ معاشرہ: آج کل کا کھو معاشرہ پچاس یا سو سال پہلے کے معاشرے
مختلف ہے - خاص کر گزشتہ ۲۰، ۲۵ سالوں کے دوران یہاں کے رسم و رواج، ع
اطوار، معیشت، اداب اور ثقافت اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں جو انقلاب آیا ہے
مثال ریاست کی تمام تاریخ میں ملنی مشکل ہے -

پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے انگریزوں کے دور میں چترال کے
جدید تعلیم (غیر منقسم)، برصغیر کے لوگوں کی تہذیب و تمدن اور مغربی تہذیب کے
سے روشناس ہوئے - اسی دور میں ٹیلیفون، تار، بجلی اور موٹرکار کا مشینی دور بھی شرو
علاوہ ازیں پاکستان و ہند کی تحریک آزادی کے اثر سے چترال میں بھی سیاسی بیدا
آگ سلگنے لگی -

پاکستان بننے کے بعد جب چترال سے ہندو اور سکھ تاجر چلے گئے تو
کا میدان خالی رہ گیا - لہٰذا کھو لوگ کافی تعداد میں کاشت کاری اور بھیڑ
پالنے کے ساتھ ساتھ تجارت بھی کرنے لگے - اس طرح نہ صرف ان کی معاشی حالت پر خو
اثر پڑا بلکہ ان کے معاشرتی نکتۂ نگاہ میں بھی وسعت پیدا ہوگئی -

۱۹۵۳ع میں حکومت پاکستان نے چترال میں نئے قوانین نافذ کیے - ج
مطابق تمام انتظامی ڈھانچہ بدل دیا گیا - اس کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ
معاشرتی طبقہ بندی کا نظام اب اپنی موت مر رہا ہے، کیونکہ اس نظام ک
رہنے کے لیے اب کوئی جواز باقی نہیں رہا - نئی اصلاحات کے مطابق طبقہ بند
مبنی تمام فرائض کالعدم قرار دئیے گئے - اب تمام عہدوں پر عہدیدار اور دوسرے م
اپنی ذاتی قابلیت اور استعداد کے مطابق مقرر کیے جاتے ہیں - نتیجہ یہ ہو

ال میں آدم زادہ ، ارباب زادہ یا یوفت اور فقیر مسکین کا تصور فرسودہ
ہوتی ہیں اور ان کی جگہ معاشی طبقے مثلاً امیر طبقہ ، درمیانی طبقہ
بقہ پیدا ہو رہے ہیں جن میں ہر ایک شخص محنت اور کوشش سے
و کسی بھی طبقے میں شامل کر سکتا ہے -
ی طبقہ بندی کے خاتمے کا ایک اثر یہ بھی ہوا ہے کہ لوگ پہلے کی
مختلف فرائض کے تابع نہیں بلکہ مکمل طور پر آزاد ہیں - للہذا
ون لوگ پاکستان کے دوسرے حصوں میں جا کر محنت مشقت کرکے
نے کے قابل ہوئے ہیں - ساتھ ساتھ پاکستان کے ان حصوں کے لوگوں
ر ان کے طرزِ گفتار ، طرزِ بود و باش اور طرزِ معاشرت سے متاثر ہو

تان بننے کے بعد چترال نے تعلیمی لحاظ سے بھی بہت ترقی کی ہے -
صحیح معنوں میں تعلیمی دور کا آغاز ہز ہائی نس محمد ناصر الملک نے
ں چترال کے سکول کا سنگ بنیاد رکھ کے کیا تھا اور اس کے بعد مختلف علاقوں
اسکول اور مدرسے قائم کیے گئے - لیکن پاکستان بننے کے بعد اس میدان
سے ترقی ہونے لگی اور آج تمام ریاست میں چار ہائی اسکول ، تیرہ مڈل
ات لوئر مڈل اسکول اور اڑسٹھ پرائمری اسکول موجود ہیں - ان کے علاوہ
یوں کے اسکول ہیں - کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم بھی لڑکوں کے لیے
ر کرکے آسان بنا دی گئی ہے اور ہر سال کئی طلباء اعلیٰ تعلیم سے
و رہے ہیں - اس کے علاوہ حکومت پاکستان مستحق طلباء کو اعلیٰ تعلیم
رنے کے لیے انگلستان بھی بھیجتی ہے - یہ طلباء اپنی تعلیم مکمل کرکے
ال میں آ جاتے ہیں -
ید ادب و ثقافت : یہ دور کھووار ادب و ثقافت کے لیے یقیناً ترقی کا
اس لیے کہ کھووار شاعری میں روز روز نئے رجحانات پیدا ہو رہے ہیں -
خن میں حمد ، نعت ، رباعی ، ترانہ اور قطعات کے اضافے ہوئے ہیں - اس
نوعات میں بھی تنوع پیدا ہو رہا ہے - دور جدید کے کھووار شعرا
امین مثلاً توحید ، نعت رسولؐ ، حُبِ وطن ، جہاد ، زراعت اور ملکی ترقی
ع شعر بنا کر کھووار ادب کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کر رہے ہیں -
ہات اور نئے خیالات کھووار ادب میں متعارف ہو رہے ہیں - ان کے علاوہ
میں نثر نگاری اور ڈرامہ نگاری بھی روز بروز ترقی کر رہی ہے -

ریڈیو عام ہونے اور پاکستان کے دوسرے حصوں کے لوگوں کے ساتھ ز
روابط اور میل جول کے باعث کھووار میں اُردو پشتو کے بے شمار الفاظ داخل
رہے ہیں - ساتھ ساتھ پشتو اور اُردو دھنوں کا بھی کھووار موسیقی پر خاصا اث
رہا ہے - ریڈیو پاکستان پشاور اُردو اور پشتو آرکسٹرا پر چترالی دھنیں بنانے
تجربہ کر رہا ہے - مقامی موسیقار بینڈ باجہ ، بیگ پائپ (Bag Pipe) اور ہارم
پر کھووار دھنیں بجانے کا تجربہ کر رہے ہیں -

چترالی رقصوں پر بھی دور جدید کا خاطر خواہ اثر ہو رہا ہے - گذشتہ
سالوں کے دوران میں پشتو دھن پر ایک نیا چترالی رقص وجود میں آیا ہے جو خاص و
میں مقبولیت حاصل کر رہا ہے -

ادب و ثقافت کی ترقی کے لیے انجمن چترال کا قیام عمل میں آیا ہے جو اپنے مقصد
حاصل کرنے کے لیے دن رات کوشاں ہے -

زبان کی ترقی : کسی زبان کی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں ، جب تک ا
تحریری صورت میں پیش نہ کیا جا سکے - بد قسمتی سے کھووار زبان و ادب
تحریر میں لانے کی طرف اس صدی کے شروع تک کسی نے سنجیدگی سے توجہ
دی [1] - یہ ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے کہ شہزادہ محمد ناصر الملک (بعد میں ہز ہائی
والئی چترال) نے میرزا محمد غفران مؤرخ چترال کی معیت میں ایک کتابچہ ''کھو
قاعدہ'' تیار کر کے چھاپ دیا - انہوں نے کھووار حروف تہجی کے زائد حروف نیز زا
حرکات کے لیے علامات بھی ایجاد کیں ، مگر اس زمانے میں فارسی کی مقبولیت کی و
سے یہ کتابچہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکا اور یہ کوشش رائیگاں گئی
اس کے بعد کئی سال تک کھووار کو تحریر میں لانے کی کسی نے ضرورت
سمجھی - ان حالات کے پیش نظر شہزادہ محمد حسام الملک اور ان کے فرز
شہزادہ محمد صمصام الملک کی کاوشیں قابل ستائش ہیں ، جنہوں نے قریباً دس س
ہوئے ، محمد ناصر الملک مرحوم کے ایجاد کردہ کھووار رسم الخط کے مطاب

(۱) یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز فوجی افسر اوبرائ
(Capt. D. J. T. Obrein) نے کھووار گرامر اور الفاظ (Grammar and Vocabulary of Khowar
Dialect) تصنیف کرکے شائع کی تھی - مگر چونکہ یہ انگریزی میں ہے اس لیے اس کا اثر افسرو
اور انگریزی دان طبقے تک ہی محدود رہا ہے اور اس کو عام مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی - البت
بیرونی محققین نے اس سے خاصا استفادہ کیا ہے -

کھووار میں کتابیں لکھنے کا آغاز کیا - اس طرح کھووار میں ''ینمشر''۔ یعنی نماز (از
ہزادہ محمد حسام الملک) 'کھو وار قاعدہ'، 'کھو وار بول چال' اور 'کھووار گرائمر' (از
ہزادہ محمد صمصام الملک) لکھی گئیں - شہزادہ محمد حسام الملک کھووار کی سعی
ے زبان و ادب کی ترقی کے لیے انجمن ترقی کھووار دروش کا قیام بھی عمل میں
یا - اس کے بعد کئی ایسے محرکات مزید پیدا ہوئے جن کو اس زبان و ادب کی ترقی میں
سنگ میل کا درجہ دیا جا سکتا ہے -

۱۹۶۴ء میں انجمن چترال کی بنیاد رکھی گئی - جس میں انجمن کھووار دروش اور چترال پولو ایسوسی ایشن کو ضم کر دیا گیا - اس انجمن کا مقصد کھووار زبان و ادب اور ثقافت کی ترقی کے علاوہ ریاست میں مقامی دست کاری کی حوصلہ افزائی اور قدیم مسودات اور کھووار کتابوں کی اشاعت بھی شامل ہے - اس انجمن کے زیر اہتمام سالانہ ایک ہفت روزہ '' جشن چترال '' منایا جاتا ہے - جس میں پولو اور دیگر کھیلوں کے علاوہ ایک شاندار میلہ لگتا ہے ، جہاں مقامی دست کاریوں کے ساتھ حکومتی ادارے بھی اسٹال قائم کرتے ہیں - علمی مباحثے ، مشاعرے اور ثقافتی شو بھی منعقد کیے جاتے ہیں - گذشتہ چار سالوں کے دوران اس قسم کے تین جشن منائے گئے ہیں - ہر سال اس کی افادیت اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے -

انجمن چترال کے قیام کے ایک سال بعد ۱۹۶۵ء میں ریڈیو پاکستان پشاور نے ہفت روزہ کھووار پروگرام نشر کرنا شروع کیا ، جو اب ہفتے میں دو دفعہ پیش کیا جاتا ہے - اس میں کھووار میں تقریریں ، نظمیں ، ڈرامے ، فیچر اور خبریں نشر کرنے کے ساتھ ساتھ اس تمام مواد کے مسودات جو کھووار میں لکھے ہوتے ہیں محفوظ رکھنے کا بھی بندوبست کیا گیا ہے -

۱۹۶۷ع کے آغاز میں پشاور سے ایک ہفت روزہ اخبار ''تریچ میر چترال'' بھی جاری ہوا ہے - اس میں ایک صفحہ کھووار زبان کے لیے وقف ہے - اگرچہ اس اخبار نے اب تک خاطر خواہ ترقی نہیں کی ، لیکن امید ہے کہ آگے چل کر اس سے کھووار زبان کو کافی فائدہ ہوگا -

المختصر کھووار روز بروز ایک علمی زبان بنتی جا رہی ہے اور دن بدن اس کے ادبی سرمائے میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے -

شعرائے دور جدید

۱- شہزادہ محمد حسام الملک: یہ مرحوم مہتر سر شجاع الملک
ہیں - موجودہ دور میں کھووار کی ترقی آپ کی ان تھک کوششوں کی رہین م
آپ شاعر بھی ہیں اور اسرار و رموزِ کائنات کے بارے میں آپ کے اشعار
ادب میں شہ پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں - آپ کی زندگی کا بہترین کارنامہ
کا کھووار میں ترجمہ ہے - ان دنوں آپ تمدنِ چترال پر ایک ضخیم کتا
میں مصروف ہیں -

نمونۂ کلام

گلدبو پھران نہ دردا پور پور   مہ گست تہ سوم دوئیے ہمیشہ بور
استاری ژاہپئے تت کونیاں غچھی   کاناں می کمبوخ تت کونیاں مو
تو جم کی لاڑس مت سف مڑار دوبوا
خدایو ولٹار بندو ژاک دوبوا

ترجمہ : (اے انسان) گلاب کے پھول کی یہ نازک پنکھڑیاں
تیرا غم کھا کھا کے فنا ہو رہی ہیں -
اور نرگس کا پھول ہمیشہ تیری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
(تمہیں سمجھانے کے لیے) تجھے دیکھ رہا ہے -
ستارے ٹمٹا کر آنکھ مار رہے ہیں
(اور) درخت کی یہ شاخیں ہل کر تجھے اپنی طرف بلا رہی ہیں -
اگر تو غور سے دیکھے تو قدرت کی یہ تمام نشانیاں
تیرے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان پیامبر کی مانند ہیں
اور تجھے خداوند تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دیتی ہی

۲- بابا ایوب چمرکن : یہ مشرف خان سابق وزیر صنعت چترال
ہیں - معیار نظمیں لکھا کرتے ہیں ، جس سے چترال کے موجودہ سیاسی
حالات کی پوری پوری عکاسی ہوتی ہے - غزلیات اور مزاحیہ اشعار بھی ک
منظر نگاری سے انہیں خاص شغف ہے - ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے ایام
نے کئی رزمیہ نظمیں کہی تھیں جن میں سے ایک یہ ہے :

(الف) مہ سلام ہیتاں نے تن ژ نان قربان اریئی
دشمنو شکست پرائی ملکو پر امان اریئی

کلی روئیے زمینا زندہ تن نامان اریتی
اسپہ غچھار پاچھانی جنتہ مکان اریتی

جمہ : ان کو میرا سلام ہو جنہوں نے اپنی جانیں قربان کیں ،
دشمن کو شکست دی
اور ہمارے ملک کو امن بخشا !
انہوں نے تمام دنیا میں اپنا نام زندہ کیا
اور ہماری نگاہوں سے پرے جنت میں اپنے لیے جگہ بنا لی -

(ب) تن سفرو تاریخو ہمت چراغان آریتی
اسپہ ہر دیان ٹیکہ عمرایت داغان اریتی
ہیتان تے خوش آمدید بو فرشتہ گن اریتی
ہیتان پر دشٹوتے گیتی زندہ باد حوران اریتی

رجمہ : انہوں نے اپنے سفر کی تاریخ ہمیشہ کے لیے روشن کر لی -
(اگرچہ) ہمارے دلوں کو ہمیشہ کی مفارقت کا صدمہ دے کر چلے گئے -
ان کو خوش آمدید کہنے والے کئی فرشتے تھے
اور حوروں نے ان کا استقبال کرتے ہوئے زندہ باد کے نعرے لگائے !

۲- امیر گل خان : یہ خاص چترال کے رہنے والے ہیں اور چترال کے مشہور نگار ہیں - اپنے مقبول گیتوں کی وجہ سے گذشتہ تیس سالوں کے دوران میں کی موسیقی کی محفلوں پر چھائے رہے ہیں - گیتوں کے لیے دھن بھی خود بناتے ر چترال کے بہترین موسیقاروں میں شمار کیے جاتے ہیں - عشقیہ گانوں کے علاوہ نعت ، قومی ترانے اور مرثیے بھی کہنے لگے ہیں - ہز ہائی نس سیف الرحمان چترال کی ہوائی حادثے میں اچانک موت پر امیر گل نے جو مرثیہ کہا ہے ، ترال کے ہر خاص و عام میں بہت مقبول ہے - ذیل میں ان کے نمونۂ کلام کے پر یہ مرثیہ اور ان کے دو مقبول گیتوں میں سے کچھ اقتباسات پیش کیے ہیں :

مرثیہ :

ژان امانت اللہ و گنیتائی امانتو مگر افسوس ہمونی تہ بے مقصد مویتائے
جام خونی نیک نیتی جام رونی اللہ تن خوش کیہ نا شکری اریتام تتاسپہ سار گنیتائے

ترجمہ : جان خداوند تعالیٰ کی امانت ہے (اگرچہ حق ادا ہوا)

پھر بھی یہ سوچ کر افسوس ہوتا ہے
کہ تمہیں تمہارا مقصد پورا ہونے سے پہلے ہی مار دیا -
اے اچھی خصلت والے !
اچھے لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب ہوتے ہیں -
ہم سے ناشکرا پن سرزد ہو گیا ہوگا -
اس لیے خدا نے تمہیں ہم سے چھین لیا -

(ب) ہزار کڑیمان کیہ سود لاکھ پلویمان افسوس بویکرا اولوئیے باغائے وا کورا لیم
مو حال ہایہ کی بیرائے مہ کیہ حاجت یہ دنیا اوا افسوسو آہن ہامو پالیم

ترجمہ : اگرچہ میں ہزار آہ و فغاں کرتا ہوں -
یا لاکھ دفعہ (اس صدمے کے الاؤ میں) جلتا ہوں پھر بھی کیا فائدہ !
پرندہ اڑ کر چلا گیا اور اب اس کا ملنا محال ہے -
اگر اس دنیا کی حالت یہی ہے تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں -
میں اب اس کو اپنی حسرتوں سے
اور بھرپور آہوں سے جلا کر خاکستر کر دوں گا -

صوفیانہ گیت از امیر گل :

(الف) مجنونو بھیسا بیتی صحرا گردش گوری تائے
گہی محمود و عشقا ایاز و چستی بوسوم جوست
کورا کنعانہ چے ہو یوسفر روشتی یوسوم جوست

ترجمہ : وہ کبھی مجنوں کے بھیس میں صحرانوردی کرتے ہوئے پایا جاتا ہے
اور کبھی ایاز کی خوبصورتی کے ساتھ محمود کے عشق کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے -
اور کبھی چاہ کنعان میں یوسف کے جلوے میں نمایاں ہو جاتا ہے -

(ب) خدائی ہر شکلا کوری تان جلوؤ پا شیر دنیا
کورا صلیبو پھورا منصور و مستی یوسوم جوست
اللہ لا شریک بادشاہ فقط تان ہستی یوسوم جوست

ترجمہ : خداوند تعالیٰ طرح طرح سے اپنا جلوہ ظاہر کرتا ہے
کہیں صلیب کے اوپر منصور کی مستی میں جلوہ نما ہوتا ہے
اور (اس سب کچھ کے باوجود) اللہ تعالیٰ لاشریک بادشاہ ہے !
اور اس کی ہستی واحد اور بلند ہے -

عشقیه گیت از امیر گل :

کابی کل گمبوریو ساربشار گانور تو بہچاک حسنو سوم کو مغرور آسور
وری جو باسو شئیلی شیکا پاتی افسوس ناز کی گمبوریا نو بہچور
کوئی شور و گان چمن دی خرم ہوئی بلبل تن عشقر گمبوریو نورا خسور

ترجمه : کوئی جا کے میرے پھول سے یہ پوچھے
کہ وہ فانی حسن پر اس قدر مغرور کیوں ہے ؟
اُس کی خوشبو (تو) دو روزہ ہے جو کہ
(ایک نہ ایک دن) خوبصورتی کے ساتھ ختم ہو جائے گی
اور افسوس ! پھول کی نزاکت برقرار نہ رہ سکے گی۔
جب جاڑے کی (تند اور بے رحم) ہوا چلنے لگے گی ،
تو سارا چمن خشک اور برباد ہو جائے گا ۔ (لیکن اس سب کچھ کے باوجود)
بلبل اپنے مرکزِ عشق یعنی پھول کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکے گی!

ان مشہور و معروف شعراء کے علاوہ موجودہ دور میں اور بھی بہت سے مقبول شعراء موجود ہیں ۔ جن میں سے خاص طور پر میرزا فردوس فردوس ، شہزادہ عزیز الرحمٰن عزیز ، اسرار الدین اسرار ، ولی زر خان ولی ، شہزادہ فخر الملک فخر ، رحمت اکبر خان رحمت اور معراج الدین معراج کے نام قابل ذکر ہیں ۔ ان میں سے چند کے کلام کے نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں ۔

(۱) نمونۂ غزل (اقتباس) از میرزا فردوس فردوس

تا اہل انسان نوبوئی ، نا اہل تان اگر ، شاہ مردان کہ ہوئی
تروق میوہ شیریں نو بوی گرچہ پرورش چمنا جنت عدان کہ ہوئی

ترجمه : ایک نا اہل اور جاہل آدمی صحیح انسان نہیں بن سکتا ۔ اگر وہ شاہِ مردان بھی بن جائے ، اس کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔
(اس کی مثال یوں ہے کہ) تلخ میوہ اگر جنتِ عدن میں بھی پرورش پا لے ، وہ میٹھا کبھی نہیں ہو سکتا ۔

(۲) رباعیات از شہزادہ عزیزالرحمٰن عزیز

(الف) عصر علم
ہنوں کہ عصر علم و چہ فرہنگ شیر جہانو د ای خور زائیلہ آہنگ شیر

کوروسان بندگی کہ تو خوروتے بس عیب شیر آرشیر ننگ شیر

ترجمه : آج علم و ہنر اور حکمت و ادب کو کتنی ترقی حاصل ہے!
لیکن اس دنیا کے ڈھنگ بھی نرالے ہیں ۔
(کیونکہ اس تمام ترقی کے باوجود اے انسان !)
تو دوسرے کی بندگی اور غلامی کے بندھن میں جکڑا ہوا ہے ۔
جو کہ تیرے لیے بڑی کمی ، عار اور ننگ کا باعث ہے ۔

(ب) قصۂ عشق از عزیز
بلبلو نقس گمبوریو آفس گمبوریو آفس بلبلو خضس
عاشقو چہ معشوقو عشقو قصہ دنیائی ہمونی تن اوشوی بس

ترجمه : بلبل کی خواہش پھول کی تمنا ہے
اور پھول کی تمنا بلبل کے پنجرے میں قید ہونا ہے ۔
عاشق اور معشوق کے عشق کی داستان دنیا میں بس اتنی ہی ہے!

(۳) اقتباس ترانہ از اسرار الدین اسرار

اے مہ وطن چھترار تہ بچن مہ ژان نثار نسین اوچھی شینی موژین چھیرو غور جھ
جنتو نمودہ تو شیلی مہ خوش تو مہ ژانو سار پاک سر زمینا تہ مثال گمبوریو ای باغ

ترجمه : اے میرے وطن چترال ۔ تجھ پہ میری جان نثار ہو ۔
تیرے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے اور تیرے درمیان دودھ کی نہ
رواں ہیں ۔
تو جنت کی مانند خوبصورت ہے اور میری جنت ان سے زیادہ مج
پیاری ہے ۔
سر زمین پاک میں تیری مثال باغ میں ایک پھول کی مانند ہے ۔

(۴) اقتباس پاکستان زندہ باد (یوم پاکستان کے موقع پر) از ولی زر خان و

اے وطن گلزار گلستان زندہ باد
اے گمبوریان زمین پاکستان زندہ باد
کوشش مسلمنان ہوی پنون سر انجام فرنگی حکومتو نو بوسی اسپہ غلام
پاکستانو تجویز و مپیش ارپر قاید اعظام تنظیم و اتحاد و ہوئی بوشیلی انجام
اے وطن گلزار ....

مه : مسلمانوں کی کوششیں آج کے دن بار آور ہو گئیں -
آج کے دن مسلمانوں نے وعدہ کیا
کہ آئندہ کے لیے وہ انگریزوں کی غلامی قبول نہیں کریں گے -
قائد اعظم نے قرار داد پاکستان پیش کی
اور تنظیم و اتحاد کے اصولوں کا بول بالا ہوا -

یہ گیت از شہزادہ فخر الملک فخر

موش اریر محنونو سار سوال ''لیلو جدائی یہ تہ کیہ حال
ب آدمی نے مجنوں سے یہ سوال کیا -''لیلیٰ کی جدائی میں تمہارا کیا حال ہے'')
وچے وصالو شیر کیہ خال موغار خلاص کوئے عقلہ کہ یا مال''
اور وصال کا مزا کیسا ہوتا ہے؟ ایسی حالت سے عقل نجات دے سکتی ہے
دولت ؟)
ں ریتائے - ''خالق لا یزال'' - (مجنوں نے کہا کہ ''خالق لا یزال'')

خاتمہ

ی تہذیب کی بقاء اور ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات
ون کو پیش نظر رکھے - ان کو اپنے میں سمونے کی اس میں صلاحیت ہو
ت پڑنے پر اپنے بعض پہلوؤں کو ان کے مطابق ڈھالنے کی اہل ہو- یہ
میں ہی معلوم ہوگا کہ کھو قوم کا معاشرہ وقت کی اس آزمائش میں کہاں
اتر سکے گا - البتہ گذشتہ حالات اور موجودہ رجحانات کے پیش نظر یہ اندازہ
کل نہیں کہ کھو قوم اپنے پرانے طرزِ تمدن کو زیادہ عرصے تک برقرار نہیں
ے گی -

BIBLIOGRAPHY RELATING TO CHITRAL STATE AND THE KHOW PEOPLE

ALDCR, GARY A.—British India's Northern Frontier (1865-95); Longmans London 1963.

ANSARI, BAZMI.—Chitral (A Brief General and Historic Description), The Encyclopaedia of Islam (New Edition), Vol. 2; Luzzac London 1963.

AZIZ-UD-DIN MUNSHI.—Tarikh-e-Chitral (Urdu); Agra 1897.

BIDDULPH, MAJOR JOHN.—Tribes of the Hindu Kush; Calcutta 1880.

IDEM. Dialects of the Hindu Kush, Khowar...., Journal of Royal Asiatic Society (N. S.), Vol. XVII, London 1885.

BONAVTLIT, GABR E.—Through the Heart of Asia; London 1889.

CURZON, LORD KEDLESTON. Leaves from a Viceroy's Notebook; London 1927.

DAVIDSON, COL.—Some Notes on the Language of Chitral

DAVID, C. COLLNE.—Problem of the North-Western Frontier (1908-1909): Cambridge University Press 1910.

DURAND, A.G.—The Making of a Frontier: London 1900.

FRASER-TYLER, SIR.—Afghanistan, London 1953.

FRASER-TYLER, SIR.—Frontier and Overseas Expiditions From India, Vol. I, North of the Kabul River (A Government Publications): London 1907.

GRIERSON, SIR GELRGE.—Linguistic Survey of India, Vol. VIII, Part I: Calcutta 1919.

GUHA, DR. B.—Races of Northern India (All India Science Congress): Calcutta 1936.

IDEM.—Racial Affinities of the People of India: Census of India 1931, Vol. I, Part III: Simla 1935.

GUFFRAN MIRZA MOHAMMAD.—Tarikh-e-Chitral (Forsi): Unpublished.

GUFFRAN MIRZA MOHAMMAD.—Imperial Gaseteer of India Vol. X (pp. 300-304): Oxford 1908.

ISRAR-UD-DIN.—A Social Geography of Chitral State: (Unpublished) M. Sc. Thesis Approved by the University of London in 1965

IDEM.—Settlement Pattern and House Types in Chitral State: Pakistan Geographical Review, Vol. 21, No. 2, Lahore 1966

IDEM.—Socio-Economic Developments in Chitral State Since Independence: P.G.R.; Vol. 22, No. 1: Lahore, 1967.

IDEM.—The Khow and the Kalash Tribes of Chitral: The Daily Bang-e-Haram, Peshawar (Chitral Edition), Vol. 9, No. 180: Peshawar, 20th January, 1967.

LEITNER, G. W.—Dardistan in 1866, 1886 & 1893: London 1895.

IDEM.—The Languages and Races of Dardistan, Part I: Composition, Grammer and Vocabulary of....Arniya: Lahore 1877.

MORGENSTIERNE, GEORGE.—Report on a Linguistic Mission to North-West India: Oslo 1932.

IDEM.—Report of a Linguistic Mission to Afghanistan: Oslo 1926.

IDEM.—Iranian Elements in Khowar: Bulletin of the School of Oriental and African Studies, London, Vol. VIII.

IDEM.—Some Features of Khowar Morphology: Oslo 1947

IDEM.—Name, Languages and Tribes of Chitral: Encyl. of Islam (New Edition); Vol. 2:—Luzzac London 1963.

IDEM AND SHAH, W. A.—Some Khowar Songs: Acta Orientalia, Vol. XXIV, 1-2, Oso 1957 (?).

30. MURTAZA, MIRZA GHULAM.—Nia Tarikhe Chitral (Urdu), Peshawar 1962.
31. O'BRIEN, CAPT. D. J. T.—Grammar and Vocabulary of Khowar Dialect Lahore 1895.
32. ROBERTSON, SIR GEORGAE—Chitral—The Story of a Minor Siege: London 1895.
33. SCHOMBERG, R. C. F.—Kafir's Glaciers of Travels in Chitral: London 1938.
34. SCOTT, I. D.—Notes on Chitral: Peshawar 1936.
35. SHAH, WAZIR ALI AND MORGENSTIERNE, GEORGE. Some Khowar Songs: Acta Orientalia, Vol. XXIV, 1-2: Oslo 1957 (?).
36. SMITH, V. A.—Oxford History of India: Oxford 1921.
37. SOLV, & RICHARD BATES.—Tirich Mir: London 1952.
38. STEIN, SIR AUREL.—Serindia, Vol. I: Oxford 1921.
39. YOUNGHUSBAND, F. F.—The Heart of Asia: London 1898.
40. IDEM AND YOUNGHUSBAND, G. J.—The Relief of Chitral: London 1895.

عمر فوٹوسٹیٹ
میٹرک سے لیکر ایم اے، ایم اس سی تک کے نوٹس دستیاب ہے۔
پتہ: کافی شاپ بازار، یونیورسٹی اف پشاور۔
پروپرائٹر: نور اینڈ الیاس۔فون:0307-7183580

کشمیری ادب

سیاسی اور معاشرتی پس منظر۔ ریاست جموں وکشمیر

فی الوقت ریاست جموں و کشمیر کو جس کا رقبہ اقوام متحدہ اور سروے
انڈیا کے نقشوں کے مطابق پچاس ہزار مربع میل ہے، عرفِ عام میں ک
جاتا ہے۔ اسی ریاست کے وسط میں وہ وادی واقع ہے جس کو کشمیرِ جنہ
گیا ہے۔ اس وادی کی لمبائی چوراسی میل اور چوڑائی بیس سے پچیس میل
گویا اس وادی کا رقبہ جس کی وجہ سے ساری ریاست کو کشمیر کہا جاتا
دو ہزار مربع میل ہے۔ یعنی ریاست کے رقبہ کا اڑتالیسواں حصہ! کشمیری
وادی کے رہنے والوں کی مادری زبان ہے لیکن اس بات میں بھی شک نہیں
کے علاوہ ریاست کے کئی دیگر حصوں میں بھی کشمیری زبان بولی جاتی
علاقے ۱۹۴۷ء کے بعد (نیا قائم شدہ) ضلع ڈوڑہ، ضلع پونچھ کی تحصیل ح
مظفر آباد کے شہری علاقے، اسکردو اور گلگت کے قصبے ہیں۔ راجوری او
قسم کے قصبوں میں بھی لوگ کشمیری زبان بولتے ہیں۔ اس طرح ضلع ہزار
قصبہ مری (پاکستان) کے بعض علاقوں میں بھی کشمیری النسل لوگوں
تعداد موجود ہے جو کشمیری بولتے ہیں۔ وادی کی آبادی اس وقت کسی
بیس لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ تقسیم کے بعد دو مردم شماریوں یعنی
۱۹۶۱ء میں چونکہ ریاست دو حصوں میں منقسم تھی اور ریاست کے پانچ
زائد انسان وطن سے باہر ہجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکے ہیں، اس
ریاست کی کل آبادی کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کے عا
مقبوضہ کشمیر کی حکومت نے بہت سے غیر ریاستی غیر مسلموں کو بھی
بسایا ہے۔ پھر بھی ریاست کے دونوں حصوں اور مہاجرین جموں و
پاکستان کی ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی کل آبادی ستاون
کے قریب ہے۔ اس ساری آبادی میں کشمیری کے علاوہ پنجابی، پہاڑی، شی
بلتی، گوجری وغیرہ زبانیں بولنے والے بھی شامل ہیں۔

تقسیم ہند سے قبل ریاست جموں و کشمیر کے دو ہی نہیں تین صو
صوبہ جموں، صوبہ کشمیر اور صوبہ سرحد — تینوں صوبوں میں مسلمانوں